میں نیکی اور بدی کی پہچان کا جو نور عطا کر رکھا ہے اسے بجھنے نہ دے۔ تربیت نفس یہ ہے کہ انسان نفس کی ایسی تربیت کرے کہ وہ نفس مطمئنہ بن جائے۔ یہ عمر بھر کے لئے ایک کٹھن جہاد ہے۔ عزت نفس یہ ہے کہ انسان کو جو اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے اور تمام کائنات کو اس کے لئے مسخر کر دیا ہے وہ برابر اس مقام کی حفاظت کرتا رہے اور غیر اللہ کے آگے نہ جھکے۔

احتساب نفس یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا برابر جائزہ لیتا رہے کہ اس نے کیا نیکی کمائی ہے۔ اور کیا برائی کمائی ہے۔ نفس کے بعد قریب ترین تعلق انسان کا والدین کے ساتھ ہوتا ہے جو انسان کی پیدائش کا ذریعہ ہیں۔ بچے کی رضاعت و پرورش اور تعلیم و تربیت میں وہ جس بے مثل قربانی و جانثاری کا مظاہرہ کرتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ بچہ بڑا ہو کر والدین کا غمگسار، خیر خواہ، خدمتگار اور فرمانبردار بن کر رہے۔ والدین کے بعد بیوی بچوں سے انسان کا سب سے قریبی تعلق ہوتا ہے۔ مرد کو گھر کا قوام اور نگراں بنایا گیا ہے اور ساتھ ہی بچوں کی اخلاقی اور دینی تربیت بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اس طرح قرابت مندوں سے حسن سلوک کے ساتھ ساتھ پڑوسیوں سے بھی حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اور ان کی ایذا رسانی کو حدیث میں عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

آخر میں معاشرہ اور ریاست کے ساتھ تعلق پر بحث کی گئی ہے۔ معاشرہ کے ہر فرد پر اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری ہے، اگر اس کا بگاڑ آخری حد تک پہنچ جائے تو وہاں سے ہجرت کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد جہاد کا مرحلہ آتا ہے۔ لیکن جہاد سے پہلے اتمام حجت ناگزیر ہے۔ نیز جہاد اہل ایمان کے لئے ہے اور ایک بااختیار اور بااقتدار امیر کی قیادت میں ہو۔

ریاست کی چار مثالیں دے کر دینی احکام کو واضح کیا گیا ہے۔ ایک حکومت وہ جو غیر مسلموں کی ہو اور سیکولر ہو، اس میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق شہادت حق کا فریضہ انجام دے۔ دوسری حکومت وہ ہے جو مسلمانوں کی ہو یا کافروں کی، مگر دین کی دشمن ہو، اس میں مسلمان کے لئے انذار، جہاد و ہجرت کے

علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ پہلی راہ مسلمانوں کے لئے ناممکن ہے دوسری راہ اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔ تیسری حکومت وہ ہے جو مسلمانوں کی ہو لیکن اس کا آئین و قانون اسلام اور جاہلیت کا ملغوبہ ہو۔ اس کی مثال خود ہماری حکومت ہے۔ اس حکومت میں اہل علم کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں میں صحیح دینی شعور بیدار کریں اور گروہی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کی فضا ختم کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ حکومت کی چوتھی قسم وہ ہے جس میں اسلامی قانون وآئین نافذ ہو، ایسی حکومت اگرچہ اس وقت موجود نہیں ہے مگر ہمیشہ سے یہ مسلمانوں کا مطمحِ نظر رہی ہے۔ صدر اول میں یہ عملاً قائم ہوئی، عہد سلاطین میں بھی اس کی مختلف جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی حکومت کے قیام کے لئے مسلمانوں کو بھرپور جدوجہد کرنی چاہئے۔

غرض تزکیہ نفس کے موضوع پر مولانا اصلاحی کا یہ لاثانی کارنامہ ہے۔ ان کی یہ کتاب اس صدی کی احیائے دین کی تحریکوں کے لٹریچر میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے ہم عصر مصنّفین میں کسی نے بھی اس موضوع پر اتنی جامعیت، اس قطعیت اور اس قدر ترتیب اور طویل منصوبہ بندی سے قلم نہیں اٹھایا ہے۔ ملت اسلامیہ کے دوش پر مولانا کا یہ ایسا احسان ہے جس کے بار سے وہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کی عظمت اور افادیت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کے اثرات کو وسیع تر دائرہ میں ممتد کرنے کے لئے عربی اور انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا جائے۔ (۲)

حواشی

۱۔ تدبر، مراسلہ و مذاکرہ، سلسلہ نمبر ۶، ص: ۴۶۔۴۸

۲۔ اس دوران اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کی ضروری تفصیلات یہ ہیں۔

Self Purification and Development, Amin Ahsan Islahi
English Translation by Sharif Ahmad Khan
Adam Publishers & Distributers, 2000, Delhi.

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تحریکی خدمات

صفدر سلطان اصلاحی

جماعت اسلامی کے بانی اور قائد مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ اور عصر حاضر کے مایہ ناز مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے درمیان خوشگوار علمی تعلقات اور مراسم ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کے قیام سے بہت پہلے استوار ہو چکے تھے۔ ادارہ ترجمان القرآن، حیدرآباد، دکن اور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ کے مابین قرآن حکیم کے تعلق سے جو فکری ہم آہنگی اور مناسبت تھی اس کا اقتضا بھی یہی تھا کہ دونوں کے متوسلین اور سربراہان ایک دوسرے سے محبت و مودت اور تعاون و اشتراک کا تعلق رکھیں۔ مجلّہ ترجمان القرآن کی قدیم فائلوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے مذکورہ بالا حقیقت کے ناقابل تردید شواہد فراہم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا حمید الدین فراہیؒ کے سانحہ انتقال (۱۹۳۰ء) کے بعد ان کے علمی اور تفسیری ورثے کا عربی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کے مبارک سلسلے آغاز ہوا تو ترجمان القرآن کے مدیر مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے ان کی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر اس کام کے لئے اپنے موقر جریدے کے صفحات مخصوص کر دیئے تھے۔ (۱) پھر بعد میں جب دائرہ حمیدیہ سرائے میر سے مولانا فراہیؒ کی تفسیر ''نظام القرآن'' کے الگ الگ اجزاء شائع ہونے لگے تو مولانا مودودیؒ نے اپنے مجلّہ میں انتہائی شاندار اور واضح الفاظ میں ان کا تعارف پیش کیا اور قارئین کو ان کے مطالعہ کی طرف رغبت دلائی (۲) مزید برآں ۱۹۳۶ء میں جب دائرہ حمیدیہ کی جانب سے امام فراہی کے فلسفہ کو عام کرنے کی غرض سے مجلّہ ''الاصلاح'' کا اجراء عمل میں آیا تو مولانا مودودیؒ نے اس پر بڑی مسرت اور خوشی کا

اظہار کیا اور اس کی اشاعت پر ارباب مدرسۃ الاصلاح اور وابستگان دائرہ حمیدیہ کو مبارکباد پیش کی۔ (۳) مولانا مودودیؒ کی علامہ فراہیؒ سے گہری عقیدت و محبت اور اکرام واحترام کا اندازہ اس امر واقعی سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں جب بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے مولانا فراہیؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کے خلاف فتاوائے تکفیر جاری کیے گئے تو مولانا مودودیؒ نے ترجمان القرآن کے کئی شماروں میں اس اقدام پر تنقید کی اور شبلیؒ و فراہیؒ کے افکار و خیالات کی تائید و حمایت کی۔ (۴) اس طرح مدرسۃ الاصلاح اور ترجمان القرآن کے درمیان رابطہ اور تعلق دن بدن مستحکم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دور وہ آیا کہ مدرسۃ الاصلاح کے فارغین اپنی قرآنی تحقیقات اور علمی نگارشات کی اشاعت کے لئے ترجمان القرآن کو سب سے موزوں جریدہ تصور کرنے لگے اور ترجمان القرآن بھی ان کی توقعات کے عین مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرتا رہا۔ (۵)

مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کی تشکیل سے پہلے ۱۹۳۸ء میں اسلامی موضوعات پر ریسرچ و تحقیق اور مسلمانوں کی اصلاح و رہنمائی کے لئے پٹھان کوٹ (پنجاب) میں "دارالاسلام" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اس منصوبہ کو عملی شکل دینے سے پہلے انھوں نے ملک کے جن معتبر اور اصحاب الرای علماء اور مفکرین سے مشورہ کیا اور انھیں اس ادارہ کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی ان میں مولانا عبدالماجد دریابادی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی اور مولانا محمد منظور نعمانی کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی کا نام بھی شامل تھا۔ بعد میں دارالاسلام کے مقاصد کا تعارف پیش کرتے ہوئے مولانا مودودی نے جن اداروں کے وابستگان اور فضلاء کو خاص طور سے دعوت فکر و عمل دی تھی اور جن سے انھوں نے اشتراک و تعاون کی درخواست کی تھی ان میں مدرسۃ الاصلاح اور ندوۃ العلماء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۶)

۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیان ہندوستان کے علمی و فکری حلقوں میں ترجمان القرآن کے مدلل مضامین اور مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی موثر و دلنشین

تحریروں کا بڑا چرچا تھا۔ مولانا مودودیؒ کے انداز بیان اور طرز استدلال سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے علاوہ وہ علماء بھی متاثر تھے جو اسلامی تعلیمات کو عصری اسلوب میں پیش کرنے اور اسلام کے خلاف برسرپیکار باطل طاقتوں کا مسکت جواب دینے کے خواہشمند تھے چنانچہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے بعض شاگردوں اور ساتھیوں نے یہ گواہی دی ہے کہ اس وقت وہ نہ صرف یہ کہ مولانا مودودی کی بے حد عزت کرتے تھے بلکہ اسلامی موضوعات پر ان کے بیش بہا لٹریچر کی وجہ سے لوگوں کو تاکید کرتے تھے کہ ان کا مطالعہ کریں اور دین کی قلمی خدمت کے لئے ان کے داعیانہ طرز تحریر کو اختیار کریں۔(۷) لیکن چونکہ مولانا اصلاحی ایک بلند پایہ محقق اور وسیع النظر عالم تھے اور کتاب وسنت پر براہ راست مجتہدانہ غور وفکر کے عادی تھے اسلئے ان سے کسی بھی عالم اور مفکر کی مجرد تقلید اور خاموش اتباع کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ جب مولانا مودودی نے ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' کے عنوان سے اس وقت کے ملکی حالات اور سیاسی جماعتوں کے جائزہ اور تبصرہ پر مشتمل مضامین شائع کرنے شروع کئے تو مولانا اصلاحیؒ نے اس کے بعض حصوں پر سخت گرفت کی۔ اور مولانا مودودی کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے ضمن میں مفید مشورے دئے۔(۸) اسی طرح جب مولانا مودودیؒ نے ترجمان القرآن میں پردہ سے متعلق اپنے قیمتی مقالات شائع کئے تو عورت کے چہرے کے پردہ کی بابت ان کے لچکدار اور نرم موقف کی وجہ سے مولانا اصلاحیؒ نے ان پر نقد و تبصرہ کیا اور کتاب وسنت سے استدلال واستشهاد کرتے ہوئے اسلام میں عورت کے پردے کی صحیح نوعیت اور صورت واضح کی۔(۹)

جماعت اسلامی میں شمولیت :

اگست ۱۹۴۱ء یں جب جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں آئی تو بعض نامعلوم اسباب ووجوہ کی بناپر مولانا اصلاحی اس میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ حالانکہ مولانا مودودی سے ان کا جس طرح کا رابطہ اور تعلق تھا اس سے ان کے شریک اجلاس ہونے کی توقع بجا طور سے کی گئی ہوگی۔ غالباً مولانا اصلاحی جماعت اسلامی کی تاسیس اور

قیام کے بنیادی مقصد اور نصب العین سے اصولی طور پر متفق تھے اور انھوں نے تاسیسی اجتماع میں اپنی عدم شرکت کی وجہ سے بانی تحریک کو مطلع بھی کر دیا تھا۔ اس قیاس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ تاسیسی اجلاس کے آخری دن جماعت کو چلانے اور امیر جماعت کو مشورہ دینے کے لئے چند منتخب علماء اور دانشوروں پر مشتمل مجلس شوریٰ کی تشکیل عمل میں آئی تو اس میں مولانا اصلاحی کا نام نامی بھی شامل تھا۔ (۱۰) نیز تاسیسی اجلاس ہی میں ملک کی وسعت اور طول مسافت کے پیش نظر جب مختلف تنظیمی حلقے قائم کئے گئے تو مولانا اصلاحی کو مشرقی یو.پی. اور بہار کے حلقے کا انچارج (نائب امیر) بنایا گیا۔ یہ حلقہ الہ آباد، بنارس، گورکھپور، فیض آباد، اعظم گڑھ اور بہار پر مشتمل تھا اور اس کا صدر مقام مدرستہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ تھا۔ (۱۱) تاسیسی اجلاس کے یہ دونوں فیصلے اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصے اہم تھے اور مولانا اصلاحی کی رضامندی اور آمادگی کے بغیر ان کا صدور ممکن نہ تھا۔

جماعت اسلامی میں مولانا اصلاحی کی شرکت اور شمولیت کی قدر و اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے جماعت کی تشکیل و تاسیس کے بعد اس کے تعلق سے پیش کئے جانے والے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے جو مضامین اور مقالات تحریر فرمائے ان میں منجملہ دیگر عقلی و نقلی دلائل کے اس حقیقت کو بھی نمایاں طور سے پیش کیا کہ جماعت کو ہندوستان کے معروف علماء اور سرکردہ مفکرین کی تائید و حمایت حاصل ہے۔ انھوں نے ان علماء و مفکرین کی فہرست میں مولانا اصلاحی کا نام بھی پیش کیا ہے۔ (۱۲) مزید برآں جماعت کی تاسیس کے بعد اس کی دعوت کی توسیع اور اس کے تعارف کو عام کرنے کی غرض سے مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے شمالی ہندوستان اور مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ نے پورے ملک کے منتخب مقامات کا سفر کیا تو یہ دونوں حضرات الگ الگ تاریخوں میں مدرستہ الاصلاح بھی تشریف لے گئے اور مولانا اصلاحی سے ملاقات کی۔ مولانا منظور نعمانی نے اپنے اس سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ

اس سے پہلے مولانا اصلاحی سے ان کا کوئی خاص ربط ضبط نہیں تھا اور یہ کہ وہ اس سفر سے پہلے ہی رکن جماعت بن چکے تھے۔ (۱۳) مولانا مودودیؒ کا سفر ۱۹۴۱ء کے اخیر میں ہوا تھا اس وقت مدرستہ الاصلاح پر ایک اجتماعی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا اور اس میں دارالمصنّفین اور شبلی کالج سے وابستہ علمی شخصیات کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ بعض لوگوں نے روایت کیا ہے کہ مولانا اصلاحی نے جماعت اسلامی کی رکنیت قبول کرنے کا فیصلہ اسی نشست میں کیا تھا اور اپنے رفیق خاص مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے بھی ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔ (۱۴) مولانا اصلاحیؒ نے جماعت کی رکنیت کب اور کیسے قبول کی تھی۔ اس سے گریز کرتے ہوئے اس حقیقت پر نگاہ مرکوز رہنی چاہئے کہ مولانا ۱۹۴۲ء کے آغاز ہی میں جماعت کے کام اور اس کی فکر و فلسفہ سے ہم آہنگ ہو چکے تھے۔ انھوں نے جماعت کی شوریٰ کے اجلاس دوم منعقدہ ۲۶۔۲۷ فروری ۱۹۴۲ء بمقام لاہور میں شرکت کی اور اس کے اہم فیصلوں میں حصہ لیا اور مولانا مودودیؒ کو ان کی ذاتی زندگی اور تحریک اسلامی کے ایک قائد کے اعتبار سے بعض مناسب اور معقول مشورے بھی دیئے تھے۔ (۱۵)

جماعت میں شمولیت کے بعد مولانا اصلاحیؒ کی مصروفیات میں مدرستہ الاصلاح پر درس وتدریس اور دائرہ حمیدیہ کی نگرانی کے ساتھ جماعت اسلامی سے متعلق مختلف الجہات سرگرمیوں کا اضافہ ہوگیا۔ ضلع اعظم گڑھ اور قرب وجوار کے دوسرے اضلاع کے علاوہ انھوں نے دور دراز کے مقامات کا بھی تحریکی مقاصد کے تحت سفر کا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۳ء کے دربھنگہ کے اجتماع میں مدرستہ الاصلاح کے اساتذ اور طلبہ کے ایک وفد کے ساتھ شریک ہوئے۔ (۱۶) اس کے ایک ماہ بعد نومبر ۱۹۴۳ء میں جنوبی ہند کے اجتماع ارکان بمقام حیدرآباد میں مرکز جماعت کی ایماء سے شریک ہوئے۔ (۱۷) ان دونوں اجتماعات میں مختلف مواقع پر انھوں نے خطاب اور تجاویز و مشوروں کی شکل میں شرکاء وسامعین کو اپنے گرانقدر خیالات سے مستفید کیا۔ اس اجتماع میں شرکت کے وقت مولانا کی دینی فکر کی پختگی اور تحریکی کام کے لئے

یکسوئی کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس بیان کا ایک حصہ ہے جو انھوں نے جماعت کی جانب سے ارکان کی معاشی بہبود کے لئے کوئی منصوبہ وضع کرنے کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے دیا تھا۔

> ''لیکن جماعت کو اپنی جماعتی حیثیت میں اعلاء کلمۃ اللہ کی دعوت اور جدوجہد کے سوا کوئی کاروبای خدمت نہیں کرنی چاہئے۔ اگر ایک انقلابی جماعت کسی ایک پہلو سے بھی کاروباری ادارہ بن جائے تو ایک تو اس کی مساعی بالکل تقسیم ہو کر رہ جائیں گی اور دوسرے کچھ لوگ بلا حقیقی جذبہ کے محض معاشی مفاد کی ہوس میں اس کے اندر جذب ہونے شروع ہو جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے اصل مقصد کو نقصان پہنچے گا۔'' (۱۸)

مدرسۃ الاصلاح سے پنجاب منتقلی :

جون ۱۹۴۲ء میں جب جماعت اسلامی کا مرکزی دفتر، لاہور سے پٹھانکوٹ منتقل ہوا تو مولانا مودودی کو جماعت کے پیش نظر کاموں میں اپنے جن رفقاء کی معاونت اور مشارکت کا شدت سے احساس ہوا ان میں مولانا اصلاحیؒ سر فہرست تھے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ نے ان سے دارالاسلام منتقل ہونے کے لئے مسلسل تقاضا کرنا شروع کر دیا۔ ابتداء میں مولانا سرائے میر میں اپنی ذمہ داریوں کے حوالہ سے لیت و لعل سے کام لیتے رہے لیکن بعد میں مولانا مودودیؒ کے شدید اصرار کے تحت انھوں نے ۱۹۴۴ء کے اوائل میں دارالاسلام منتقل ہونے پر اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ بنظر ظاہر مادر وطن اور مادر علمی سے بیک وقت جدائی کا فیصلہ انتہائی تکلیف دہ اور جانگسل معلوم ہوتا ہے لیکن اقامت دین اور غلبۂ دین جیسے مہتم بالشان مقصد کے لئے کچھ کر گزرنے کی خواہش اور عزم کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ دارالاسلام منتقلی کے وقت مدرسۃ الاصلاح میں ان کی خدمات کی ضرورت واہمیت کا اندازہ مدرسہ کے اس وقت کے ناظم جناب حاجی رشید الدین مرحوم کے اس گرامی نامہ سے ہوتا ہے جو انھوں نے مولانا مودودیؒ کے نام تحریر کیا تھا اور جس میں انھوں نے

مولانا کی عدم موجودگی کی شکل میں مدرسے کا کام کاج ٹھپ پڑ جانے کا حوالہ دیکر ان سے سال کے کم از کم چھ ماہ مدرسہ پر قیام کرنے کی درخواست کی تھی لیکن مولانا مودودی نے تحریک اسلامی کے کام کی عظمت اور اہمیت کے پیش نظر اس درخواست کو قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ (۱۹)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ مارچ ۱۹۴۴ء میں جس دن دارالاسلام پٹھانکوٹ تشریف لے گئے اس دن مولانا مودودی کی مسرت اور خوشی کا حال، وہاں موجود ایک معتبر عالم دین مولانا جلیل احسن ندویؒ کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

"مولانا مودودی نے مولانا اصلاحی کا استقبال کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو سرنا ریلوے اسٹیشن بھیجا تھا اور خود مسجد کے شمالی جانب کھڑے ہو کر ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ مولانا اصلاحی تشریف لائے، سلام و مصافحہ ہوا۔ مولانا نے ان کے سامان رکھواتے اور غسل کا انتظام کرنے کے لئے حکم دیا مولانا اصلاحی کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ مولانا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ خوشی کے آنسو۔ اور فرمایا اب تک میں اکیلا تھا۔ اکیلا سب کام کرتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک طاقتور بازو مہیا فرمادیا۔" (۲۰)

دارالاسلام پٹھانکوٹ میں ان دنوں شمال مغربی ہندوستان کے ارکان جماعت کا اجتماع ہو رہا تھا۔ غالباً ان کے سفر کا فوری محرک اس اجتماع میں شرکت بھی تھی۔ (۲۱) انھوں نے اس اجتماع میں مقامی جماعتوں کی طرف سے پیش کردہ رپورٹوں پر تبصرہ کیا اور ارکان جماعت کی جانب سے پیش کردہ تجاویز پر مناسب مشورے دیئے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک طویل تقریر بھی کی۔ جس میں انبیاء کے طریق دعوت کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ کارکنان تحریک کو اسلام کے بنیادی اصولوں اور معتقدات کی طرف لوگوں کو دعوت دینی چاہئے اور فروعی و جزئی مسائل میں الجھنے سے یکسر اجتناب کرنا چاہئے۔ (۲۲) مولانا کی یہ تقریر اتنی مؤثر اور مدلل تھی

کہ مولانا مودودی نے اس کے بعد اپنی اختتامی تقریر میں اس کا کئی بار حوالہ دیا اور اس کے بعض نکات پر سامعین کو سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دی۔ (۲۳) اس تقریر کی جامعیت اور اثر انگیزی کا تذکرہ اس اجتماع کے ایک شریک مولانا ابو البیان حماد نے اسطرح کیا ہے:

"رفقاء جماعت سے خطاب کے لئے جب مولانا امین احسن اصلاحی ایک نرالی شان سے کھڑے ہوئے تو سب لوگ اشتیاق مجسم بن کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تقریر دلپزیر کا آغاز ہو گیا تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ قلزم گفتار کا ایک ہنگامہ خیز آبشار ہے۔ جو راستے کے پتھروں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ میں نے خود یہ دلآویز منظر دیکھا ہے کہ مولانا کی تقریر کے دوران سامعین اپنی جگہ بیٹھ نہیں پا رہے ہیں بلکہ نشست و برخاست کا درمیانی انداز اختیار کئے ہوئے ہیں۔ (۲۴)

مرکز جماعت میں تحریکی مصروفیات:

پٹھانکوٹ میں مرکز جماعت کی ترجیحات میں ایک ایسی درسگاہ کا قیام بھی شامل تھا جس میں نئی نسل کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق تیار کیا جا سکے۔ لیکن یہ کام متعدد اسباب کی بنا پر ملتوی ہوتا رہا۔ مولانا امین احسن اصلاحی جب دارالاسلام تشریف لے آئے تو انھیں اس مجوزہ درسگاہ کا ذمہ دار بنایا گیا اور درسگاہ کے مطلوبہ نصاب کی تیاری کا کام بھی ان کے سپرد کیا گیا۔ مولانا مودودی نے دارالاسلام کے مذکورہ بالا اجتماع کے شرکاء کو مخاطب کرتے ہوئے یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ "درسگاہ کے قیام کا منصوبہ اب بلا تاخیر شروع ہونے جا رہا ہے کیونکہ مولانا امین احسن اصلاحی اس غرض سے یہاں تشریف لا چکے ہیں اور عجب نہیں کہ وہ یہاں مستقلاً رہ جائیں۔" (۲۵)

دارالاسلام میں قیام کے دوران مولانا اصلاحی نے جماعت کے کل ہند اور علاقائی سطح کے تمام اجتماعات میں شرکت کی اور ان میں مختلف نوعیت کی انتہائی بیش قیمت تقاریر کیں۔ اسطرح کے جن اجتماعات میں مولانا کی شرکت انتہائی موثر اور

بامعنی ثابت ہوئی ان میں ۱۹ تا ۲۱/اپریل ۱۹۴۵ء کا کل ہند اجتماع ارکان بمقام پٹھانکوٹ، پنجاب، ۵ تا ۷/اپریل ۱۹۴۶ء کا کل ہند اجتماع ارکان بمقام ہرداوہ، الہ آباد اور ۲۵ تا ۲۶/اپریل ۱۹۴۷ء کا علاقائی اجتماع برائے ارکان شمالی ہند بمقام پٹنہ بہار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۲۶) ان اجتماعات کی روداد پہلے ترجمان القرآن میں اور پھر بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوگئی ہے۔ ان میں مولانا اصلاحی کی کئی مفصل تقاریر موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ان کی خطابت کے طرز و اسلوب اور مواد کی موزونیت اور زبان کی سلاست کا اندازہ ہوتا ہے۔

پٹنہ کے مذکورہ اجتماع کے تعلق سے دو باتیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس اجتماع میں مولانا مودودیؒ شریک نہیں تھے کیونکہ انھیں ان ہی تواریخ میں مدراس میں منعقدہ اجتماع برائے ارکان جنوبی ہند میں شرکت کرنی تھی اس لئے پٹنہ کے اجتماع میں مولانا اصلاحی کی حیثیت قائد تحریک کے جانشین کی تھی چنانچہ انھوں نے اس کے کئی اجلاسوں سے خطاب کیا۔ دوسری بات یہ کہ اس اجتماع کے آخری دن مولانا اصلاحی نے ایک عوامی جلسہ سے خطاب کیا۔ اس کے سامعین میں مہاتما گاندھی بھی تھے۔ انھوں نے بعد میں خطاب کے مشتملات پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ (۲۷) واضح رہے کہ گاندھی جی ان دنوں پٹنہ میں بہار کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد ریلیف ورک کی نگرانی کے لئے مقیم تھے اور انھیں بھی اجتماع میں شرکت کی عمومی دعوت دی گئی تھی۔ گاندھی جی نے مولانا اصلاحی کے خطاب میں شرکت کے لئے اپنی شام کی پرارتھنا کے بعد کی تقریر منسوخ کردی تھی۔ (۲۸)

دارالاسلام پٹھانکوٹ میں مولانا کا روز کا معمول مطالعہ کتب اور تحریر و تصنیف تھا۔ اس کے علاوہ روزانہ بعد نماز فجر درس قرآن، نماز کی امامت، باہر سے آئے ہوئے رفقاء سے ملاقاتیں، علمی اور تحریکی مسائل میں ان کی مدد اور رہنمائی اور مرکز کے ہفتہ واری اجتماعات میں شرکت وغیرہ، ان کے مستقل معمولات کا حصہ تھے۔ (۲۹) چونکہ کتاب اللہ کا مطالعہ اور اس پر تدبر و تفکر ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا، اس

لئے قرآن مجید کا درس بیشتر وہی دیا کرتے تھے۔ پٹھانکوٹ میں ان کے ساتھ مقیم جماعت کے ایک مخلص رکن سید نقی علی نے یہ شہادت دی ہے کہ :

"درس قرآن عموماً مولانا اصلاحی دیا کرتے تھے درس کے سب شرکاء قرآن مجید کھول کر دیوار کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ جس کو کسی آیت کے سمجھنے میں کوئی دقت ہوتی بلا تکلف پوچھ لیتا۔ سوال وجواب اور بحث و مباحثہ عموماً مختصر ہوتا۔" (۳۰)

دارالاسلام میں مذکورہ مصروفیات کے علاوہ مولانا اصلاحی کا سب سے بڑا کام تحریک اسلامی کے جملہ امور و مسائل کی دیکھ ریکھ اور جماعت کے ارکان اور اس کی یونٹوں کی دینی اور تحریکی معاملات میں مدد اور رہنمائی تھی۔ جماعت کے دستور کے اعتبار سے اصلاً تو یہ کام امیر جماعت سے متعلق ہے۔ لیکن چونکہ پٹھانکوٹ پہنچتے ہی اپنی مختلف خوبیوں اور امتیازات کی وجہ سے انھوں نے مولانا ابوالاعلی مودودیؒ اور مرکزی شوریٰ کے ارکان کے یہاں اس حد تک اعتماد و اعتبار حاصل کر لیا تھا جس کی بنا پر انھیں مولانا مودودیؒ کے جانشین اور نائب کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی اس لئے مولانا مودودی کی علالت یا غیر حاضری کی صورت میں وہ ان کے کاموں کی تکمیل اور انجام دہی کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ مرکز جماعت کے علاوہ دور دراز مقامات کے اسفار اور کل ہند اور علاقائی سطح کے اجتماعات میں انھوں نے خاص طور سے مولانا مودودی کی نیابت اور قائم مقامی کا فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء کے الہ آباد اجتماع اور ۱۹۴۷ء کے پٹنہ اجتماع میں مولانا مودودی کی علالت اور مصروفیت کی وجہ سے ان کی جگہ پر سامعین سے خطابات اور رپورٹوں پر تبصرے کئے۔ (۳۱) ان تبصروں اور خطابات کے سننے والوں کا یہ مجموعی تاثر بتواتر منقول ہوا ہے کہ وہ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی باتوں میں بڑی حد تک توافق اور یکسانیت پاتے تھے۔ (۳۲) یوں تو مولانا اصلاحی جماعت اسلامی میں جب تک رہے انھوں نے ہمیشہ مولانا مودودی کے ساتھ تعاون و اشتراک اور علمی و فکری جانشینی کا کام پورے اخلاص اور یکسوئی سے سنبھالے رکھا۔ لیکن یہ معاملہ زیادہ تر غیر رسمی تھا اور

باہمی تال میل اور امیر جماعت کے ایماء سے ہوتا تھا۔ البتہ پوری تحریکی زندگی میں دو چار مواقع ایسے بھی پیش آئے جب مولانا اصلاحی کو قائم مقام اور نائب امیر کی ذمہ داری شوریٰ میں باضابطہ غور وفکر کے بعد تفویض کی گئی۔ اس طرح کی ایک صورت حال ۱۹۴۶ء میں پیش آئی جب مولانا مودودیؒ کو گردوں کی پتھری کے آپریشن کے لئے لمبی چھٹی پر جانا پڑا۔ مرکزی مجلس شوریٰ نے ۱۵۔۱۶/ ستمبر ۱۹۴۶ء کو اپنے ایک اجلاس میں مولانا کی غیر حاضری میں ان کے جانشین کے مسئلہ پر غور کیا اور متفقہ طور سے امارت کے جملہ اختیارات و فرائض مولانا اصلاحی کے حوالہ کر دیئے۔ (۳۳) اس حیثیت میں انھوں نے کوئی چار ماہ تک کام کیا۔ اس عرصہ میں جو حضرات مرکز جماعت میں ان کے ساتھ موجود تھے انھوں نے مولانا کی انتظامی اور تنظیمی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ (۳۴)

پاکستان میں تحریکی سرگرمیاں :

اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم سے قبل مولانا اصلاحی اپنے وطن اعظم گڑھ واپسی کا پروگرام بنا چکے تھے۔ انھوں نے اپنے ایک شاگرد حکیم محمد مختار اصلاحی کے نام ایک خط میں لکھا تھا "رمضان کے بعد اعظم گڑھ مستقلاً واپس ہونے کا ارادہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے موقعہ دیا تو وہیں سے جماعت (اسلامی) کی خدمت اور دائرہ (حمیدیہ) کی تجدید کا ارادہ ہے۔" (۳۵)

صحیح بات یہ ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں مقیم جماعت کے اکثر ارکان کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ مولانا اصلاحی یہاں آکر جماعت کی قیادت سنبھال لیں۔ اس کے لئے انھوں نے جماعت کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے خط وکتابت بھی کی تھی۔ لیکن مولانا نے ملکی حالات اور مولانا اصلاحی کے بعض ذاتی مسائل کو سامنے رکھ کر نقل مکانی کو مناسب نہیں سمجھا۔ اس فیصلے کی اطلاع دیتے ہوئے جماعت اسلامی پاکستان کے قیم میاں طفیل محمد نے جو مفصل مکتوب تحریر کیا اس کے آخری حصہ کے درج ذیل جملے ملاحظہ کیجئے :

''سفر آپ کے یہاں ہو نہیں سکتا۔ جلسے آپ نہیں کر سکتے۔ پاکستان سے آئے ہوئے کسی شخص سے متعلق یہ گوارا نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دوسرے لوگوں کا مرجع بن کر ایک ہی جگہ بیٹھ سکے۔ ان وجوہ کی بنا پر مولانا امین احسن اصلاحی کو ہندوستان بھیجنا نہ مفید ہے اور نہ مناسب۔'' (۳۶)

مولانا مودودی اور ان کے رفقاء ۳۰ راگست ۱۹۴۷ء کو دارالاسلام پٹھانکوٹ سے لاہور منتقل ہوئے۔ (۳۷) لاہور پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو مرکز کے لئے کسی معقول اور کشادہ جگہ کی تلاش اور دستیابی میں کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ غالباً اسی وجہ سے مرکز کا ایک حصہ پاکستان کے ایک دوسرے شہر راولپنڈی منتقل کر دیا گیا اور مولانا امین احسن اصلاحی اس ذیلی مرکز کے ذمہ دار بنائے گئے۔ (۳۸) پاکستان کے قیام کے بعد وہاں کے اسلام پسند عوام اور اسلامی جماعتوں کی سب سے بڑی آرزو اس خطہ زمین میں اسلامی شریعت اور اسلامی نظام زندگی کو نافذ شکل میں دیکھنے کی تھی جس کے لئے ہی اصلاً پاکستان کی تشکیل عمل میں آئی تھی اور ہندوستان کے گوشے گوشے سے فرزندان توحید نے اپنی جان ومال کے نذرانے پیش کئے تھے۔ لیکن مملکت کے وجود میں آجانے کے بہت ہی مختصر عرصہ کے بعد بدقسمتی سے اس کی زمام کار ایسے مفاد پرست اور غیر سنجیدہ حکمرانوں کے ہاتھوں میں آگئی جو اسلامی شریعت اور قانون کو اپنی پرتعیش زندگی کے لئے خطرہ تصور کرتے تھے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے قائدین نے ملک کی اس عجیب وغریب اور تکلیف دہ صورتحال کا بروقت احساس وادراک کیا اور ستمبر ۱۹۴۷ء میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اس مسئلہ پر طویل غور وفکر کے بعد اس کے ازالہ اور تدارک کے لئے تفصیلی پروگرام اور لائحہ عمل طے کیا۔ (۳۹) اسلامی نظام کے تعلق سے جماعت کے اس طویل المیعاد اور ہمہ گیر منصوبہ کو روبعمل لانے کے لئے مولانا مودودیؒ کے بعد جس شخص نے اولوالعزمی، صبر وثبات اور محنت وجانفشانی کے ساتھ اپنی زندگی کے شب وروز کو ایک کر دیا وہ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم ومغفور کی ذات گرامی تھی۔ انھوں نے قائد تحریک کے ساتھ ملک کے تمام

اہم مقامات کا دورہ کیا اور وہاں منعقد ہونے والے اجتماعات اور کانفرنسز سے خطاب کیا۔ انھوں نے اس طرح کا ایک ہنگامی لیکن طویل سفر جنوری ۱۹۴۸ء میں کیا تھا۔ اس سفر کے خطبات اور تقاریر کا خلاصہ "آزادی کے اسلامی تقاضے" کے عنوان سے پہلے ترجمان القرآن میں اور بعد میں پمفلٹ کی شکل میں جماعت کے مرکزی مکتبہ سے شائع ہوا۔ (۴۰) جماعت اسلامی اور اس کے ساتھ شامل بعض اسلامی جماعتوں اور شخصیات کی مسلسل اور پیہم سعی و کوشش سے دستور اسلامی کے نفاذ کی مہم ایک منظم عوامی تحریک کی شکل اختیار کر گئی اور اس نے بہت جلد پاکستانی حکام اور دستور ساز اسمبلی کے ممبران کو مجبور کیا کہ وہ اس مطالبہ کو دستوری طور سے تسلیم کر لیں۔ چنانچہ ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے بڑی اکثریت سے قرارداد مقاصد کی منظوری دے دی۔ جس میں خدا کی حاکمیت، نیابت الٰہی اور حدود اللہ کی پابندی کے اصولوں کو دستور کی اصل اور اساس قرار دیا گیا تھا۔ (۴۱)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی قوت تحریر و تقریر، علمی وقار اور تحریک نفاذ نظام اسلامی میں سرگرم جدو جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا مودودیؒ کے ساتھ انھیں بھی حوالہ زنداں کر دیا گیا۔ ان کی گرفتاری پنجاب سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت ۵/ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو صبح طلوع آفتاب سے قبل عمل میں آئی۔ اس وقت وہ راولپنڈی میں مقیم تھے۔ (۴۲) اس سے کچھ گھنٹے پہلے لاہور کے مرکزی دفتر سے مولانا مودودیؒ اور میاں طفیل محمدؒ کو گرفتار کیا جا چکا تھا۔ ابتدا میں یہ گرفتاری صرف ایک ماہ کے لئے ہوئی تھی لیکن بعد میں چھ ماہ پر مشتمل تین توسیعات کی گئیں۔ (۴۳) اس طرح ۲۸/ مئی ۱۹۵۰ء کو وہ دوسرے رہنماؤں کے ساتھ رہائی پا سکے۔ اس دفعہ ان کی اسیری کی کل مدت بیس ماہ پانچ دن تھی۔ انھیں شروع میں اٹک جیل اور بعد میں نیو سنٹرل جیل ملتان میں نظر بند رکھا گیا۔ (۴۴) لیکن حکمرانوں کے انداز و تخویف کے یہ تمام اقدامات اسیران زنداں کے شوق و جذبہ اور عزم و ہمت میں اضمحلال پیدا کرنے کے بجائے ان میں اضافہ اور افزونی کے باعث بنے۔ مولانا اصلاحی اور ان کے ساتھ دوسرے اسیران

زنداں نے اسلامی تاریخ کے اصحاب دعوت و عزیمت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے غم واندوہ اور حزن و ملال کی ہر گھڑی پر بے مثال صبر و تحمل اور جرأت واستقامات کا مظاہرہ کیا۔ جیل میں ان کے معمولات، ملاقاتیوں سے ان کی بات چیت اور اعزہ کے نام ان کے مراسلات اس کے واضح ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ جیل میں ان کی سب سے بہترین رفیق اللہ کی کتاب تھی۔ جس کے معانی کے فہم وادراک اور حقائق و معارف پر غور و فکر ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔ انھوں نے اپنا اکثر وقت اس کتاب کے مطالعہ اور رتلاوت میں صرف کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے جیل کے دوسرے ساتھیوں کو بھی کتاب اللہ کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ اس کے لئے انھوں نے درس قرآن کا باضابطہ سلسلہ قائم کرر کھا تھا۔ چنانچہ پنجاب اسمبلی کے ایک سابق رکن راؤ محمد خورشید علی خاں مرحوم نے جو ان کے ساتھ جیل میں کچھ دنوں مقیم تھے، اعتراف کیا ہے کہ : "مولانا اصلاحی صبح کے وقت درس دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ اس درس کی بدولت وہ قرآن کو صحیح صحیح سمجھنے لگے تھے اور اس کے طفیل وہ جماعت اسلامی سے بھی قریب ہو گئے تھے۔" (۴۵) جیل سے ان سے استفادہ کرنے والوں میں پاکستان کی جماعت اسلامی کے دوسرے امیر میاں طفیل محمد بھی تھے جنھوں نے ان سے عربی زبان وادب اور مؤطا امام مالک کی تعلیم حاصل کی۔ (۴۶) قرآن کریم کے علاوہ وہ حدیث پاک اور سیرت و تاریخ اور دلچسپی کے دوسرے موضوعات کا برابر مطالعہ کرتے رہتے تھے اور بقدر ضرورت تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے رہتے تھے۔ ان کی کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" ان کے ان ہی ایام اسیری کی یادگار ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے بیٹے ابو صالح اصلاحی کے نام ایک خط میں 'اسلامی ریاست' کے بقیہ ابواب کی تالیف کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کام کے لئے بعض مطلوبہ کتب کی فراہمی کی تاکید کی تھی۔ (۴۷)

مولانا نے اسیری کے دوران جو خطوط اپنے اعزا و اقارب کے نام تحریر کئے تھے ان میں سے بعض مطبوعہ شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں ان سب میں تعلق باللہ،

تقویٰ، صبر واستقامت اور ایمان واخلاق سے سرشاری کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی وہ دوسروں کو بھی انھیں اختیار کرنے کی تاکید کرتے نظر آتے ہیں۔ خوش دامن کے نام ان کے ایک مکتوب کے درج ذیل اقتباس سے ان کے اس وصف کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے:

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میں جس جگہ ہوں اپنے پروردگار سے راضی ہوں اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے یہ خیال نہیں آتا کہ اس کا معاملہ میرے ساتھ غیر منصفانہ ہے۔ میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے اور میں جس طرح دین کی خدمت کے لئے آزادی چاہتا ہوں اسی طرح اس کے راستہ میں قید وبند کو بھی پسند کرتا ہوں۔" (۴۸)

جیل سے رہائی کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی قائدین نے عوامی رابطہ کا ایک مفصل پروگرام ترتیب دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کو ملک کی خراب صورتحال، حکمراں طبقے کی نااہلی اور ملک کے دستور کی ترتیب سے مجرمانہ تغافل سے واقف کراسکیں۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک عظیم الشان عوامی اور علماء و تعلیم یافتہ طبقوں کے خصوصی اجتماعات سے خطاب کیا۔ اس کے علاوہ اسلامی دستور سے متعلق ضروری مباحث پر انتہائی مفید اور مدلل لٹریچر تیار کیا۔ دوسری طرف عوام کی جانب سے متوقع دباؤ اور رد عمل کو محسوس کرتے ہوئے پاکستانی حکمرانوں نے ستمبر ۱۹۵۰ء میں دستور کے بنیادی اصولوں سے متعلق اپنی سفارشات قومی اسمبلی میں پیش کردیں۔ (۴۹) لیکن یہ سفارشات اسلامی اور جمہوری لحاظ سے انتہائی ناقص اور مایوس کن تھیں۔ جماعت اسلامی نے خاص طور سے ان نقائص کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی منظم مہم چلائی۔ بعض دوسری جماعتوں اور شخصیات نے بھی ان سفارشات کی مخالفت کی۔ بالآخر حکومت نے انھیں واپس لے لیا۔ اور ساتھ ہی علماء سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسلام کی روشنی میں دستور کے لئے ٹھوس اور واضح سفارشات پیش کریں۔ حکومت اور اس کے حاشیہ برداروں کو یہ امید تھی کہ علماء اپنے

فقہی اور مسلکی اختلافات کی وجہ سے کوئی متفقہ مسودہٗ قانون تیار نہیں کر سکیں گے۔ لیکن ان کی امیدوں اور توقعات کے علی الرغم علماء پاکستان نے ۲۱/ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں ایک کانفرنس کی جس میں ہر مکتب فکر کے منتخب اور چنندہ علماء نے حصہ لیا اور چار روز کے طویل غور و فکر کے بعد اسلامی دستور سے متعلق بائیس اصول طے کئے۔ اس کانفرنس میں جماعت اسلامی کی نمائندگی مولانا مودودیؒ نے کی اور دستوری نکات طے کرنے میں انتہائی نمایاں کردار ادا کیا۔ (۵۰) تاہم علماء کی اس کانفرنس کی سفارشات کو نافذ کرانے اور انھیں پاکستانی دستور کے اجزء ترکیبی بنانے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ مولانا مودودی کی قیادت میں جماعت اسلامی نے یہ کام بھی اپنے ذمہ لیا اور اس کی تکمیل کے لئے عوامی طاقت کا انتہائی مناسب اور مؤثر استعمال کیا۔ اس ضمن میں جماعت کے جو پروگرام بہت زیادہ کامیاب ہوئے ان میں مئی ۵۲ء کی دستخطی مہم اور نومبر ۵۲ء کا ہفتہ دستور قابل ذکر ہیں۔ (۵۱) ان دونوں مہمات کی ابتدا میں جماعت اسلامی کی جانب سے منعقد کئے گئے جلسے اور جلوس، اپنے شرکاء کی تعداد اور دور س اثرات کے اعتبار سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ علماء، عوام اور دینی جماعتوں کی پیہم سعی و کوشش کے نتیجہ میں حکمرانوں نے دسمبر ۵۲ء میں دستور ساز اسمبلی میں بڑی حد تک عوام خواہشات کا احترام کرتے ہوئے دستوری سفارشات پیش کر دیں۔ (۵۲) لیکن ظاہر ہے معاملہ ابھی سفارشات تک پہنچا تھا۔ ان کی روشنی میں مکمل دستور کی تدوین کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔ اس لئے جماعت اسلامی نے اس جانب برابر پیش رفت جاری رکھی اور پاکستانی عوام اور علماء سے مستقل رابطہ قائم رکھا۔ بالآخر مملکت پاکستان کے وجود میں آنے کے آٹھ سال بعد ۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ء کو قوم کو وہ دستور نصیب ہوا جس نے اسے آزادی کے حقیقی مفہوم و معنی سے آشنا کیا (۵۳)

پاکستان میں اسلامی دستور کی تدوین اور تنفید سے متعلق جماعت اسلامی کی عدیم المثال جدوجہد اور قابل قدر خدمات میں مولانا مودودیؒ کے ساتھ ساتھ مولانا امین احسن اصلاحیؒ پیش پیش رہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے سفر کی زحمتوں اور مشکلات

کو بھی برداشت کیا۔ عوام و خواص کے جلسوں، کانفرنسز اور مذاکروں میں طویل اور مدلل تقاریر بھی کیں اور ان سب پر مستزاد اسلامی ریاست اور قانون کے موضوع پر انتہائی قیمتی اور وقیع تحریریں سپرد قلم کیں۔ ان میں اسلامی ریاست کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے والے چار کتابچوں اور مستقل مقالات کے علاوہ ان کی وہ کتاب خصوصی تذکرہ اور اہمیت کے لائق ہے جس میں انھوں نے اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کی حقیقت اور ان کے حل کی شکلوں اور صورتوں پر روشنی ڈالی تھی۔ (۵۴) یہ کتاب دراصل اسلامی ریاست کی تشکیل اور اسلامی قانون کی تدوین کی راہ میں حائل ایک بڑی پیچیدگی اور رکاوٹ کو دور کرتی ہے اس سے اسلامی دستور کے مخالفین کے ایک بڑے اعتراض کی دھجیاں بکھر گئیں۔ اور یہ واضح ہوا کہ قرآن و سنت کی موجودگی میں فقہی اختلافات اور تعصّبات کی کوئی واقعی اہمیت اور وقعت نہیں ہے۔

بلاشبہ مولانا اصلاحی کا اصل میدان علمی تحقیق اور فکری اجتہاد و رہنمائی تھا اور اس باب میں انھوں نے جو علمی نقوش اور یادگاریں چھوڑی ہیں وہ ہمیشہ متلاشیان حق اور طالبان فکر و آگہی کے لئے رشد و ہدایت کا سامان ثابت ہوں گی۔ لیکن اسلامی دستور کی تدوین کی اہمیت اور اس سے پاکستانی حکمرانوں کے شعوری تغافل نے مولانا کو عوام سے براہ راست رابطہ اور خطاب کے لئے مجبور کیا۔ جماعت اسلامی میں ان کی کلیدی قائدانہ حیثیت اور فن خطابت سے طبعی مناسبت اور مہارت کا مطالبہ بھی یہی تھا۔ اس دور میں انھوں نے جو موثر تقاریر کیں ان میں سے ایک وہ تقریر بھی ہے جو جیل سے رہائی کے ایک ماہ بعد لاہور میں ایک عظیم الشان جلسے کو مخاطب کرتے ہوئے کی تھی اور جس کا موضوع ''ہمیں کس مقام پر لا کھڑا کر دیا گیا ہے'' تھا۔ اس میں انھوں نے انتہائی تفصیل سے پاکستان کی سیاسی، اخلاقی، دینی اور اقتصادی صورتحال پر روشنی ڈالی تھی ار عوام کو پاکستانی حکمرانوں کے غیر اسلامی عزائم سے آگاہ کیا تھا۔ (۵۵)

قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کی یہ مستقل پالیسی بن چکی تھی کہ اصلاح معاشرہ اور تبدیلی قیادت کے ہمہ گیر منصوبوں کی عملی

تعبیر کے لئے ملکی اور صوبائی سطح کے انتخابات پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۵۱ء میں جب پنجاب میں ریاستی اسمبلی کے انتخاب کا اعلان ہوا تو جماعت نے عوامی پنچایتوں کے ذریعہ نامزد کل ۵۳ صالح امیدواروں کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ اس طرح جماعت نے جمہوریت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک نئے طرز انتخاب یعنی "پنچائتوں کے ذریعہ اہل تر امیدواروں کی نامزدگی" کی بنیاد ڈالی۔ (۵۶) اس انتخاب میں گرچہ جماعت کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن انتخاب سے متعلق مطبوعہ لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تقسیم و تشہیر، انتخابی جلسوں کے انعقاد، انفرادی ملاقاتوں اور عوامی رابطے کے دیگر پروگراموں کے ذریعہ اس کا حلقہ تعارف بہت وسیع ہوا اور لاکھوں افراد تک اس کی دعوت اور اس کے پیغام کی رسائی ہوئی۔ (۵۷) مولانا اصلاحی اس انتخابی مہم میں نہ صرف یہ کہ جماعت کے ایک قائد کی حیثیت سے شریک تھے بلکہ لاہور کے ایک حلقے سے اس کے امیدوار بھی تھے۔ انھوں نے اپنے اور دوسرے حلقہ ہائے انتخاب میں جماعت کے مقصد و نصب العین اور ملکی و بین الاقوامی مسائل کے بارے میں اس کی پالیسی و پروگرام سے متعلق تقاریر بھی کیں۔ لیکن یہاں بھی تقویٰ اور تدین کی حد درجہ پاسداری کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے عوام سے اپنے یا جماعت کے کسی بھی امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالنے کی درخواست نہیں کی بلکہ انھیں صرف بتایا کہ ووٹر کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہیں۔ (۵۸) اس موقعہ پر جماعت نے ایک انتخابی منشور بھی جاری کیا تھا۔ مولانا اصلاحی اس منشور کو تیار کرنے والی کمیٹی کے ایک معزز رکن تھے۔ (۵۹) یہ منشور فی الواقع ایک علمی، سیاسی اور دینی دستاویز ہے جو جماعت کے طرز فکر، اس کے قائدین کی تہذیب وشائستگی اور ان کی نظر کی وسعت و گہرائی کی عکاس ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی پاکستان کا اپنا ایک شورائی نظام تھا اور اس کے اہم فیصلے مجلس شوریٰ میں طویل غور و فکر کے بعد لئے جاتے تھے۔ اس لئے انتخابات سے متعلق بھی جماعت کی بنیادی پالیسی اور اہم اُمور باربار شوریٰ کی نشستوں میں زیر بحث آئے اور مولانا اصلاحی نے اپنی علمی و فکری استعداد

کے مطابق ان میں حصہ لیا۔ مجلس شوریٰ نے بھی مولانا کے ذمہ کئی اہم کام تفویض کیے تھے جنہیں انہوں نے بحسن و خوبی انجام دیا۔(۶۰)

نومبر ۱۹۵۱ء میں جماعت اسلامی پاکستان کا دوسرا اجتماع عام کراچی میں منعقد ہوا۔ اس میں شرکاء کی تعداد ۳۵ ہزار سے متجاوز تھی۔(۶۱) اس اجتماع میں مولانا اصلاحی کی ایک اہم تقریر "ہم اس ملک میں کیا تغیر چاہتے ہیں" کے موضوع پر ہوئی تھی۔ انھوں نے ملک کے دستور، قوانین نظم و نسق، نظام تعلیم و تربیت اور اصول معاشرت و معیشت پر تبصرہ کیا تھا اور اسلامی نقطہ نظر سے ان سب میں کیا کیا تغیرات لانے ضروری ہیں اس کی وضاحت کی تھی۔(۶۲) یہ ایک مفصل اور موثر تقریر تھی۔ اس کے مطالعہ کرنے سے مولانا کے طرز خطابت اور طرز استدلال کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں اس کی ایک جھلک کے لئے درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "میں ان (حکمرانوں) کی انفرادی زندگیوں سے غض بصر کئے لیتا ہوں۔ میں نے غض بصر کا لفظ بالقصد استعمال کیا ہے اس لئے کہ ان کی انفرادی زندگیاں اپنے اندر اتنی مکروہات رکھتی ہیں کہ ایک شریف اور معقول آدمی کو ان سے غض بصر ہی کرنا پڑتا ہے۔ البتہ مجھے ان کی اجتماعی زندگی سے بحث کرنے کا پورا پورا حق ہے اور مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج تک انھوں نے اجتماعی و سیاسی زندگی میں جتنے کارنامے بھی انجام دیئے ہیں ان میں قرارداد مقاصد کے سوا ایک چیز ایسی نہیں جس کے اندر اسلام کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔"(۶۳)

مولانا کی مذکورہ بالا تقریر کی اثرانگیزی اور جامعیت کا احساس اور اس کا تذکرہ اس اجتماع کے کئی معتبر اور اہل علم شرکاء نے کیا ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے معروف صاحب قلم سید اسعد گیلانیؒ نے اس تقریر کو تاریخی یادداشت کے لائق قرار دیا۔(۶۴) ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے موجودہ مدیر اور جماعت اسلامی پاکستان کے فکری رہنما پروفیسر خورشید احمد نے اس تقریر کے بارے میں اپنے تاثرات ان

الفاظ میں ظاہر کئے ہیں :

''میں نے ان کی بے شمار تقریریں سنی ہیں لیکن سب سے گہرا نقش ان کی اس مسحور کن تقریر کا رہا جو کراچی کے اجتماع میں انھوں نے درد سر کی حالت میں کی اور جس میں بیان کیا گیا تھا کہ ''ہم اس ملک میں کیا تغیرات لانا چاہتے ہیں؟''(۶۵)

پاکستان کے ایک نامور صحافی نے اس تقریر کے بارے میں یہ دلچسپ بات بیان کی ہے کہ تقریر کے درمیان بعض مواقع ایسے بھی آئے جب وہ الفاظ و معانی کے حسن انتخاب اور فصاحت وبلاغت پر غور کرتے رہ گئے اور یہ بھول گئے کہ انھیں یہ سب کچھ لکھنا بھی ہے۔(۶۶)

کراچی کے مذکورہ اجتماع کے تعلق سے مولانا اصلاحیؒ کو اس لئے بھی یاد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے مجلس شوری کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کی جانب سے اجتماع میں شریک ارکان جماعت کے سامنے وہ تجویز پیش کی جو جماعت کے دستور میں ترمیم و تبدیلی کے لائحہ عمل سے متعلق تھی اور جس کا منشا مذکورہ عمل میں ارکان جماعت کی آراء و خیالات سے ممکن حد تک استفادہ کرنا تھا۔ مولانا کی پیش کردہ تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے ارکان جماعت نے 'کمیٹی برائے ترمیم و نظر ثانی دستور جماعت اسلامی پاکستان' کے ممبران کی تعداد میں اضافہ کیا اور اس طرح یہ کمیٹی ۳۹ ارکان پر مشتمل ہو گئی۔ اس میں ۳۵ ارکان علاقائی بنیاد پر اور ۴/ ارکان غیر علاقائی بنیاد پر منتخب ہوئے تھے۔ مولانا اصلاحی غیر علاقائی بنیاد پر منتخب ہوئے تھے اور پرانی کمیٹی کی طرح نئی کمیٹی کے بھی کنوینر بنائے گئے تھے (۶۷) دستور جماعت میں تبدیلی اور اضافہ کا کام کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ اس کے لئے مختلف طرح کی صلاحیتوں کے علاوہ محنت و جانفشانی اور لگن و یکسوئی بھی مطلوب تھی۔ مولانا اصلاحی نے اپنی ذمہ داری کی نزاکت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے کمیٹی کے تمام ممبروں کی کئی نشستیں کیں اور دستور و قانون کے دیگر ماہرین سے بھی مشورہ اور استفادہ کیا۔ اس طرح طویل غور و فکر اور بحث و مباحثہ

کے بعد انھوں نے جون ۵۲ء میں جماعت کی مجلس شوریٰ کے سامنے کمیٹی کی مرتب سفارشات پیش کر دیں۔ شوریٰ کی منظوری کے بعد یہ سفارشات جماعت کے مرممہ اور تبدیل شدہ دستور ۵۲ء کا حصہ بن کر شائع ہوئیں۔ اس کے مطالعہ سے ممبران کمیٹی بشمول مولانا اصلاحی کی قانونی مہارت اور دستوری امور پر نظر کا بیساختہ اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ (۶۸)

اسی دوران جبکہ اسلامی دستور کے لئے پاکستان کے تمام علماء اور دینی جماعتیں مشترکہ طور سے کوششیں کررہی تھیں قادیانیت کے مسئلہ نے ایک فتنہ کی شکل میں سر اٹھایا۔ اس کے سدباب کے لیے فروری ۵۳ء میں کراچی میں آل پارٹیز کنونشن کی مجلس عمل کا اجلاس ہوا اور قادیانیوں کے خلاف براہ راست محاذ آرائی کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اجلاس میں شریک جماعت اسلامی کے نمائندہ نے گرچہ ملک کے قانون اور نظم کے پاس و لحاظ کرنے اور پرامن جدوجہد کی تجویز پیش کی تھی لیکن جوش و جذبہ کے ماحول میں عقل و دماغ کو اپیل کرنے والی باتیں بے اثر ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس تجویز کو ناقابل اعتنا قرار دیکر ڈائرکٹ ایکشن کے فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ (۶۹) دوسری طرف قادیانیت کے علمبرداروں کو بھی اپنے حکومتی اثرورسوخ اور عوامی مقبولیت پر ناز تھا اور وہ نئی مملکت کو اپنے فکروفلسفہ پر گامزن اور اس کی ترجمان بنا لینے کے منصوبہ پر دن رات کوشاں اور سرگرداں تھے۔ دونوں طرف کے اس غیر مصالحانہ اور سخت رویہ کا انجام تصادم اور ٹکراؤ ہی کی شکل میں ظاہر ہونا تھا۔ چنانچہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ نے آناً فاناً پورے صوبہ پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور حالات جب بالکل بے قابو ہو گئے تو مارچ ۵۳ء میں پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ (۷۰) حکومت پاکستان کے مختلف کلیدی مناصب پر چونکہ قادیانیت سے ہمدردی رکھنے والوں کی ایک قابل ذکر تعداد متمکن تھی اس لئے گرفتاری اور تشدد کی کاروائیاں بھی زیادہ تر صحیح العقیدہ مسلمانوں اور ان کے سربرآوردہ طبقے کے خلاف ہوئیں۔ مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ سمیت جماعت اسلامی کے پچاس ساٹھ کارکن

بھی گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیئے گئے۔ یہ گرفتاری ۲۸ ؍مارچ ۵۳ء کو عمل میں آئی تھی۔ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کو ابتدا میں شاہی قلعہ لاہور میں قید کیا گیا تھا پھر بعد میں سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیا گیا۔ (۷۱) حکومت کی طرف سے قائم کی گئی خصوصی عدالت نے اسی جیل کے ایک حصہ میں مولانا مودودیؒ کے خلاف عائد کئے گئے الزامات کی سماعت کی اور جب مختلف طرح کے کئی سنگین الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے تو ان کی کتاب ''قادیانی مسئلہ'' کو پنجاب میں فسادات کے پھیلنے کا اصل سبب قرار دے کر انھیں پھانسی کی سزا کا مستحق قرار دے دیا گیا۔ یہ افسوسناک واقعہ ۱۱ ؍مئی ۵۳ء کی شام کو پیش آیا۔ (۷۲) سزا سنانے کے بعد مولانا مودودی کو دیوان گھر سے پھانسی کی کوٹھری میں منتقل ہونے کا حکم دیا گیا۔ جب وہ اس کے لئے ضروری سامان کے سمیٹنے لگے تو اضطراب اور بے چینی کی وجہ سے ان کے ساتھی بے حال اور بے قرار ہو گئے۔ مولانا اصلاحی کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ وہ پریشانی اور غم کے باعث ادھر اُدھر ٹہلنے لگے تھے اور ان کی زبان پر قرآنی آیات اور دعائیں جاری تھیں۔ (۷۳) پھر جب مولانا مودودی کے کپڑے اور بستر وغیرہ پھانسی کی کوٹھری سے واپس کر دیئے گئے کیونکہ پھانسی کے مستحق افراد کے کپڑے وغیرہ الگ ہوتے ہیں، تو مولانا اصلاحی اور دوسرے رفقاء اپنے آنسوؤں کو ضبط نہیں کر سکے۔ اس وقت وہاں موجود جماعت کے ایک اہم ذمہ دار میاں طفیل محمد نے مولانا اصلاحی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وہ فرط جذبات میں کبھی مولانا مودودی کی ٹوپی اور کپڑے اپنی آنکھوں سے لگاتے کبھی اپنے سر پر رکھتے اور کبھی سینے سے لگاتے۔ زارو قطار روتے اور فرماتے جاتے تھے کہ میں مولانا مودودی کو بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ خدا کے اسقدر مقرب اور مقبول بندے ہیں۔'' (۷۴) بعد میں ایک بار جب مولانا سے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا:

''یہ فقہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ جب مجھے مولانا مودودی کی سزائے موت کی اطلاع ملی تھی تو میں چونک پڑا اور دل نے کہا سبحان اللہ! مجھے اندازہ نہیں تھا

کہ مودودی کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ کلمہ حق کہنے پر سولی پر چڑھ جائیں گے۔ پھر دل نے کہا کہ مودودی کو یہ لوگ پھانسی نہیں دے سکتے۔ اگر کہیں ایسا ہو جاتا تو نا معلوم اس قوم پر کیسا عذاب نازل ہوتا۔" (۷۵)

مولانا اصلاحی کو مولانا مودودی سے محبت اور تعلق خاطر کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب ۱۳ مئی ۵۳ء کو جیل کے ایک اہلکار نے مولانا اصلاحی کی خدمت میں ان کے کاغذات رہائی (واضح رہے کہ یہ رہائی صرف ایک روز تک رہی۔ اس کے بعد انہیں دوبارہ دوسری دفعہ کے تحت گرفتار کر لیا گیا) پیش کئے تو ان کے جذبات امڈ آئے اور وہ ان کی زبان سے اس طرح ظاہر ہوئے:

"جب وہی شخص دنیا میں نہ رہا جس کی رفاقت میں رہنے سے زندگی تھی تو پھر میں رہا ہو کر کیا کروں گا؟ میرے لئے اب رہائی میں کون سی خوشی باقی رہ گئی؟ جیل سے باہر اب میرے لئے کیا دلچسپی ہوگی۔" (۷۶)

مولانا مودودی اور ان کے معتمد ترین قریبی ساتھیوں کے زمانہ اسیری کے دوران شیخ سلطان احمد کو جماعت اسلامی پاکستان کا قائم مقام امیر منتخب کر لیا گیا تھا لیکن مارچ ۱۹۵۴ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کی رہائی کے بعد شیخ سلطان احمد نے جماعت کے اندر اپنے سے اہل تر آدمی کو موجود پا کر امارت سے استعفا دے دیا اور جماعت کی مجلس شوریٰ نے ان کے استعفا منظور کرتے ہوئے مولانا اصلاحی کو امیر منتخب کر لیا۔ اس وقت سے لے کر اپریل ۱۹۵۵ء تک (ایک سال سے زائد عرصہ) وہ جماعت کے امیر رہے۔ (۷۷) مولانا مودودی کی رہائی کے بعد مئی ۵۵ء میں جماعت نے مولانا مودودی کو امارت کی خدمت دوبارہ سونپ دی۔ اس طرح مولانا اصلاحی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ تاہم انھوں نے انتہائی نا مساعد اور پر خطر حالات میں جماعت کی امارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ حکومت کی جانب سے اس وقت جماعت کے قائدین کی نقل و حرکت پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئی تھیں اور ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جا رہی تھی۔ دوسری طرف قائد تحریک کی سزائے موت اور

بعد میں اسے عمر قید میں تبدیل کر دینے کی وجہ سے جماعت، اس کا نصب العین، اس کی دعوت اور اس کا پروگرام الغرض پوری تحریک پاکستان اور دوسرے مسلم ملکوں کے حلقہ ہائے عوام و خواص میں موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔ اس نازک اور پیچیدہ صورتحال میں مولانا اصلاحی نے تحریک کی قیادت کی۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس طلب کیے۔ کارکنان اور متوسلین جماعت کی ہمت اور عزام وارادہ کو بلند رکھا اور مختلف نوعیت کے علمی و فکری، سیاسی و سماجی اور معاشرتی مسائل میں جماعت کے نقطہ نظر کی زبان و قلم سے بہترین ترجمانی کی۔ (۷۸)

۱۹۵۴ء کے اواخر میں پاکستان کے بعض صوبوں میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان ہوا۔ جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے انتخابات سے متعلق اپنی پالیسی و پروگرام کے تعین کے لئے مولانا اصلاحی کی صدارت میں اپنا ایک اہم اجلاس کیا۔ (۷۹) مولانا مودودی اس وقت گرچہ جیل میں تھے لیکن ان کی رہنمائی اور مشورہ بھی ضرور حاصل کیا ہوگا۔ اس انتخاب میں جماعت اسلامی کی پالیسی میں ایک بنیادی اختلاف اور فرق یہ نظر آیا کہ جماعت نے پہلے کے برعکس اس بار اپنے نامزد کردہ امیدوار میدان میں اتارے تھے اور انھیں دوسری پارٹیوں کی طرح کنویسنگ، اشتہار اور ووٹ مانگنے کے دوسرے ذرائع اختیار کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اس سے پہلے جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ جماعت انتخابات میں امیدواروں کی حمایت کا فیصلہ عوامی پنچایتوں کے ذریعہ کیا کرتی تھی اور جماعت کے حمایت یافتہ امیدوار ووٹ حاصل کرنے کے معروف ذرائع سے اجتناب کرتے ہوئے اصولی نوعیت کی باتیں کیا کرتے تھے اور ان کی روشنی میں بہتر امیدوار کے حق میں رائے دینے کی التماس کرتے تھے۔ (۸۰) جماعت کی پالیسی میں یہ واضح اور نمایاں فرق مولانا اصلاحی کے دور امارت میں سامنے آیا۔ اس لئے مولانا کی اپنی ذاتی رائے خواہ کچھ بھی رہی ہو، پالیسی میں تبدیلی اور اختلاف کے مسئلہ میں انھیں یکسر غیر جانبدار ماننا مشکل ہے۔ مزید برآں اس امر کے واضح قرائن بھی موجود ہیں کہ مولانا نے ان دنوں ارکان اور مقامی یونٹوں سے مختلف

طرح کے رابطے قائم کررکھے تھے اور موقعہ بموقعہ انھیں ہدایات وغیرہ سے نوازتے رہتے تھے۔

مولانا مودودیؒ کی رہائی کے بعد نومبر ۱۹۵۵ء میں کراچی میں جماعت اسلامی پاکستان کا تیسرا عمومی اجتماع ہوا۔ اس میں جماعت کے تمام مرکزی قائدین بشمول مولانا اصلاحیؒ اور مولانا مودودیؒ شریک تھے اور ان کے انتہائی بیش قیمت خطابات ہوئے تھے لیکن اس اجتماع کی سب سے خاص بات یہ تھی کہ اس میں جماعت کے ارکان کی ایک قابل ذکر تعداد نے جماعت کی انتخاب سے متعلق تبدیل شدہ پالیسی پر اپنی بے اطمینانی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ ان ارکان کے تنقیدی خیالات کی سماعت کے بعد جماعت کے قیم میاں طفیل نے پالیسی میں تغیر کے اسباب ووجوہ پر روشنی ڈالی۔ (۸۱) لیکن اس سے معترضین کو تشفی اور اطمینان نہیں حاصل ہو سکا۔ بعد میں اس مسئلہ پر مرکزی مجلس شوری کا اجلاس بھی ہوا اور اس میں بعض ارکان کو طلب کرکے بات چیت بھی کی گئی اور الیکشن کے متعلق اعتراضات کو سمیٹنے اور کوئی قابل قبول توجیہ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی لیکن جیساکہ آئندہ سطور میں روشنی ڈالی جائے گی یہ اختلافات اور اعتراضات رفع نہیں ہو سکے۔ اور یہی اعتراضات بعد میں جماعت کے اندر ایک بہت بڑے داخلی بحران کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔

مئی ۱۹۵۵ء میں مولانا مودودیؒ کو جماعت کی امارت کا چارج سونپ دینے کے بعد مولانا اصلاحؒ کو یکسوئی اور فرصت حاصل ہوئی تو وہ اپنے پیش نظر تصنیفی و تحقیقی منصوبوں کی تکمیل اور ارکان جماعت کی فکری وذھنی تربیت کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ان کی تصنیفی و تحقیقی خدمات کا تذکرہ آئندہ سطور میں مستقل عنوان کے تحت آرہاہے۔ یہاں ارکان جماعت کی فکری اور ذھنی تربیت کے تعلق سے مولانا اصلاحی کے غیر معمولی کردار کی مختصر اوضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ جماعت اسلامی کے ارکان اور متوسلین کی تربیت وتزکیہ میں ہمیشہ سے پیش پیش تھے۔ تقسیم ملک سے قبل بھی اس ضمن میں ان کی ناقابل فراموش خدمات کا تذکرہ اور حوالہ

جماعتی ریکارڈ میں بار بار آیا ہے۔ لیکن تقسیم ملک کے بعد تربیتی امور میں ان کی حصہ داری اور زیادہ نمایاں اور واضح ہو گئی۔ چونکہ پاکستان میں جماعت اسلامی نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ کافی وسیع کر لیا تھا اس لئے اسے ایک طرف مختلف محاذوں پر صاحب صلاحیت اور ذی علم افراد کی ضرورت تھی اور دوسری طرف وہ مستقبل کے صبر آزما حالات میں اپنے کارکنان اور متوسلین کے اندر صبر واستقلال، عزم وحوصلہ اور ایمان ویقین کی ناقابل تسخیر قوت کو موجود دیکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے وابستگان کی علمی وفکری صلاحیتوں کو ابھارنے اور جلا دینے کے لئے ایک موثر اور ہمہ گیر منصوبہ ترتیب دیا اور اس کی تکمیل کی خاطر ملک کے چار اہم شہروں میں تربیتی مراکز قائم کئے۔ مولانا اصلاحیؒ کو ان میں سے تین مرکزی تربیت گاہوں کا انچارج بنایا گیا (۸۲) انھوں نے اپنی اس ذمہ داری کے تحت ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں کئی کامیاب تربیتی کیمپ منعقد کئے۔ اس طرح کے ایک کیمپ کا تذکرہ خرم مراد مرحوم نے اور دوسرے کیمپ کا ذکر محمود احمد لودھی نے کیا ہے۔ (۸۳) ان میں سے اول الذکر کیمپ کراچی میں ۱۹۵۱ء میں اور ثانی الذکر راج گڑھ میں دسمبر ۱۹۵۱ء میں منعقد ہوا تھا۔ ان تربیت گاہوں میں سب سے بنیادی اور کلیدی اہمیت قرآن مجید کو حاصل تھی۔ خود مولانا اصلاحی ان میں پابندی سے درس قرآن دیا کرتے تھے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے معروف قائدین اور مفکرین نے بھی مولانا کے ان دروس قرآن کی اثر انگیزی اور دلپذیری کا اعتراف کیا ہے۔ ماہانہ ترجمان القرآن کے سابق مدیر، ممتاز ماہر قرآنیات اور مایہ ناز مربی خرم مرادؒ نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''میں ۱۹۵۱ء میں کراچی پہنچا تو مولانا امین احسن اصلاحی پیر الہی بخش کالونی میں تربیتی کورس چلا رہے تھے۔ انھوں نے قرآن کے کچھ حصے پڑھائے اور اپنی کتاب تزکیہ نفس کے نوٹس سنائے۔ میری کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک لفظ جذب ہوتا جاتا تھا۔'' (۸۴)

''میں نے جمعیت طلبہ پاکستان کا ناظم اعلی منتخب ہونے کے فوراً بعد کراچی میں

مولانا امین احسن اصلاحی کے درس قرآن میں شرکت کی۔ اس وقت ذمہ داری کا جو احساس تھا اس نے پروگرام کو میرے لئے نافع تر کردیا اور میں اب تک اس احسان کو تسلیم کرتا ہوں۔" (۸۵)

تربیت و تزکیہ کے شعبہ جات سے طویل عرصہ تک وابستہ رہنے کی وجہ سے مولانا اصلاحی کو اس سے خصوصی دلچسپی اور شغف ہو گیا تھا۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت اس موضوع پر ان کی انتہائی معرکۃ الآرا تصنیف "تزکیہ نفس" ہے۔ یہ کتاب فی الواقع ان کے طویل غور و فکر اور وسیع علم و مطالعہ کے علاوہ ان کے مسلسل تجربات و مشاہدات کا خلاصہ اور نچوڑ بھی ہے۔ مولانا نے اس کتاب کے کچھ ابواب کسی تربیت گاہ میں شرکاء و حاضرین کو پڑھ کر سنائے تو یہ قلوب واذہان میں جاگزیں ہو گئے اور بہت دنوں بعد تک اس کے اثرات باقی رہے۔ تربیت و تزکیہ کے باب میں مولانا اصلاحی کے منفرد انداز و اسلوب اور اس موضوع پر ان کی بھرپور گرفت اور درک و مہارت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے عقیدت مندوں اور نیاز مندوں کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ کراچی کے کل پاکستان اجتماع (منعقدہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ ر نومبر ۵۱ء) بعض شرکاء نے مولانا اصلاحی سے عقیدت و محبت میں غلو اور تجاوز کا حوالہ دے کر جماعت کے اندر شخصیت پرستی کے رجحان کے پنپنے اور رواج پانے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ گرچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس تاثر کو بالکل بے بنیاد اور خارج از امکان قرار دیا تھا لیکن اس سے مولانا اصلاحی کی مقبولیت اور عظمت کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ (۸۶)

جماعت اسلامی کے اجتماعات اور تربیت گاہوں کے علاوہ مولانا اصلاحی جماعت کی ذیلی تنظیموں کے پروگراموں میں بھی بحیثیت مربی شرکت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ان سے استفادہ کرنے والوں میں ارکان جماعت کے علاوہ طلبہ و نوجوانوں کی بھی خاصی بڑی تعداد شامل تھی۔ مولانا نے نئی نسل کو بھی قرآن مجید کی تعلیم دی اور اسے اس کتاب سے تعلق استوار کرنے کی تلقین کی۔ اس سلسلے میں ماہنامہ

'ترجمان القرآن' کے موجودہ مدیر اور جمعیت طلبہ پاکستان کے سابق ناظم اعلیٰ پروفیسر خورشید احمد کی ایک مفصل تحریر کا درج ذیل اقتباس لائق مطالعہ ہے :

"وہ قرآن کے حافظ تو نہ تھے مگر انھوں نے اپنی زندگی اس طرح قرآن کے ساتھ گذاری کہ قرآن ان کی شب و روز کا رفیق بن گیا اور اس کے معانی و مطالب کے استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ جب جس مسئلے پر بات کریں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مدت سے اسی پر تحقیق کر رہے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جمعیت کے دور میں کئی بار ایسا ہوا کہ ہم نے ان سے درس کی درخواست کی اور انھوں نے آنکھیں بند کر کے قرآن کو کھولا اور جہاں سے کھل گیا وہیں سے درس شروع کر دیا اور علم و حکمت کے موتی برسانے لگے... اس طرح ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۸ء کے دوران مجھے بارہا ان کے دروس میں حاضری اور انفرادی طور پر قرآن کے بارے میں اپنے سوالات ان کی خدمت میں پیش کرنے اور ان سے رہنمائی لینے کا موقع ملا۔" (۸۷)

بحیثیت مربی مولانا اصلاحی کا ایک طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ تعلیم و تربیت کے عمل میں حکمت و موعظت اور نصح و خیر خواہی کے جملہ پہلوؤں کو ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ بلاشبہ اپنے علم و آگہی اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے انتہائی پروقار اور سنجیدہ معلوم ہوتے تھے اور ان کے زیر اثر اور زیر تربیت اشخاص نے یہ گواہی بھی دی ہے کہ وہ ان کی علمی و فکری عظمت سے بے حد مرعوب تھے۔ لیکن ان سب کے باوجود اپنے خوردوں کے ساتھ وہ انتہائی شفقت و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں :

"جتنا ہم ان کے علم سے مرعوب تھے اتنا ہی انھوں نے اپنی محبت، شفقت اور بے تکلفی سے ہمیں مانوس کر لیا تھا۔ جمعیت کے زمانہ میں وہ ہم سے اپنی اولاد کی طرح معاملہ کرتے۔ بڑے چھوٹے کا ذرا فرق نہ کرتے۔ ہم سے کھل کر بات کرتے۔ ضرورت پڑے تو بلا تکلف سرزنش بھی فرماتے لیکن ایسی اپنائیت کی فضا میں بات کرتے اور اتنا بے تکلف ہو جاتے کہ ہم اپنی

قسمت پر ناز کرنے لگتے۔"(۸۸)

مولانا اصلاحیؒ اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ محبت و شفقت اور توجہ و عنایت میں اس قدر مشہور ہو گئے تھے کہ قائد تحریک سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے پاس اگر کوئی نوجوان قرآن مجید کے فہم و مطالعہ سے متعلق بنیادی امور کو سمجھنے کے لئے حاضر ہوتا تو وہ اسے مولانا اصلاحی کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے (۸۹) اور مولانا اسے اپنے گھر کا ایک فرد بنا کر اس کی علمی تشنگی کی تشفی کا سامان فراہم کرتے تھے۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں اپنے ان امتیازات کی وجہ سے مولانا اصلاحی نئی نسل کے انتہائی ہر دلعزیز اور مقبول رہنما بن گئے تھے۔ بلاشبہ ان کے افکار و خیالات کے اثرات ایک نہیں کئی نسلوں پر مرتب ہوئے ہیں وہ اپنے پیچھے زندہ رہنے والی کتابوں ہی کا سرمایہ نہیں چھوڑ گئے ہیں بلکہ مختلف سطح پر ایسے شاگرد بھی چھوڑے ہیں جو ان کی دی ہوئی فکر کے مطابق ان کے پیش نظر علمی منصوبوں کو جاری رکھیں گے۔

مجلس شوریٰ کی رکنیت:

مولانا امین احسن اصلاحی کی تحریکی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے پالیسی ساز اور انتہائی بااختیار ادارہ مجلس شوری کے ہمیشہ ایک فعال اور بااثر رکن رہے۔ حالانکہ مجلس شوری کی تشکیل کے طور و طریق مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے رہے۔ ابتداء میں اس کا طریقہ یہ تھا کہ امیر جماعت پوری جماعت میں سے علم و تقویٰ، غور و فکر اور اصابت رائے جیسی صفات میں برتر افراد کو اس مجلس کے لئے نامزد کر دیا کرتے تھے۔ بعد میں نامزدگی کے اس طریقہ کو تھوڑا سا تبدیل کر کے اس کی شکل یہ بنادی گئی کہ امیر جماعت ارکان جماعت کے سامنے مناسب اور بہتر افراد کی قدرے طویل فہرست پیش کر دیا کرتے تھے اور ارکان جماعت ان میں سے کچھ لوگوں کے حق میں رائے دے دیا کرتے تھے۔ ان رایوں کی روشنی میں ارکان شوری منتخب کر لیے جاتے تھے۔ پھر ۱۹۴۷ء میں انتخاب کے معروف اور مروجہ طریقے کو نافذ کیا گیا۔ (۹۰) شوری کی تشکیل کا خواہ کوئی طریقہ اختیار کیا گیا ہو مولانا اصلاحی ہر

طریقے سے اس کے رکن منتخب یا مقرر ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ جماعت اسلامی کے اگست ۱۹۴۱ء کے اجلاس تاسیس کے دوران جس میں مولانا خود شریک نہیں تھے جب چند افراد پر مشتمل مشاورتی مجلس کے قیام کا اعلان کیا گیا تو مولانا امین احسن اصلاحی کا نام نامی اس میں بھی شامل تھا۔ مولانا جماعت اسلامی کی شوریٰ کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۲۶، ۲۷ر فروری ۱۹۴۲ء بمقام لاہور میں سب سے پہلی دفعہ شریک ہوئے۔(۹۱) لیکن اس پہلی شرکت ہی میں انھوں نے اپنی شخصیت اور فکر کی بلندی اور عظمت کے گہرے نقوش ثبت کئے۔ اس اجلاس کی کاروائی بیان کرتے ہوئے جماعت کی اس وقت کی انتہائی نمایاں شخصیت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے یہ لکھا ہے کہ "اس میں جماعت کے دستور پر نظر ثانی اور از سر نو ترتیب کے لئے ایک کمیٹی بھی بنی تھی جس کے ممبران میں مولانا نعمانی کے علاوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا اصلاحی بھی تھے۔" (۹۲) اس اجلاس کا تذکرہ مولانا علی میاں نے بھی کیا ہے اور انھوں نے ایک نئی بات یہ بھی لکھی ہے کہ اس میں جماعت کی امارت کا مسئلہ زیر غور آیا تھا اور اس کے لئے کچھ ارکان شوریٰ نے مولانا اصلاحی کا نام بھی تجویز کیا تھا۔ (۹۳) ۱۹۴۴ء میں دارالاسلام پٹھان کوٹ منتقل ہونے کے بعد چونکہ جماعت اسلامی ہی ان کی جملہ مصروفیات کا مرکز و محور تھی۔ اس لئے اس زمانے میں شوریٰ کے کسی اجلاس میں ان کی عدم شرکت کا امکان سرے سے خارج از بحث تھا۔ ان میں سے چند اجلاسوں کی روداد جماعت کے مطبوعہ لٹریچر میں موجود ہے ان کے مطالعہ سے مولانا کی رائے کی وقعت و اہمیت اور ارکان شوریٰ کی نظروں میں ان کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس طرح کے ایک اجلاس کا تذکرہ اس مضمون میں بھی کیا جا چکا ہے جو ستمبر ۱۹۴۶ء میں ہوا تھا اور جس میں مولانا مودودی کی مرکز سے طویل رخصت کی بنا پر مولانا اصلاحی کو ان کا جانشین منتخب کیا گیا تھا۔ (۹۴) جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولانا اصلاحی نے تقسیم ملک سے پہلے شوریٰ کے اجلاسوں میں اپنی موثر اور معنی خیز شرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جماعت کے نصب العین کی تشریح و تعبیر، اس کے لئے

قرآن وحدیث سے استدلال، دعوت دین کے انبیائی طریقہ کار پر روشنی، امیر جماعت کے حدود واختیارات اور امیر وشوریٰ کے باہمی تعلقات کے تعین میں ان کا بہت کلیدی اور نمایاں کردار رہا ہے۔ (۹۵)

تقسیم ملک کے بعد جماعتی کاموں کی وسعت اور ہمہ گیریت کے باعث قابل غور مسائل اور امور کی تعداد بھی بڑھ گئی ان پر غور کرنے اور ان کے تعلق سے جماعت کی پالیسی مرتب کرنے کے لئے شوریٰ کے اجلاس بہت کم وقفوں سے ہوا کرتے تھے۔ اس کے باوجود بھی بہت سے مسائل زیادہ غور وفکر اور توجہ کے متقاضی ہوتے تھے اور شوریٰ کے دو تین روز کے اجلاس میں انہیں حل کرنا ناممکن ہوتا تھا۔ اس لئے مجلس شوریٰ ان کے لئے الگ سے کمیٹیاں تشکیل دے دیا کرتی تھی۔ ان کمیٹیوں کے ممبران اپنی علیحدہ نشستیں منعقد کر کے مفوضہ امور کے سلسلہ میں اپنی سفارشات اور تجاویز مرتب کرلیتے تھے۔ اور پھر انہیں شوریٰ کے آئندہ اجلاس میں برائے توثیق ومنظوری پیش کردیتے تھے۔ جائزہ اور مطالعہ کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جماعت اسلامی پاکستان میں مولانا اصلاحی وہ واحد فرد تھے جو اپنی علمی صلاحیت اور فکری قوت کی وجہ سے اس طرح کی ہر کمیٹی اور مجلس کے رکن یا کنوینر مقرر ہوئے تھے۔ یہ یقیناً مولانا اصلاحی کی عظمت اور اہمیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے ان میں سے چند قابل ذکر کمیٹیاں جن کے وہ ممبر یا کنوینر تھے درج ذیل ہیں :

کنوینر کمیٹی برائے ترمیم وتبدیلی دستور جماعت اسلامی پاکستان، ممبر کمیٹی برائے تیاری وطباعت منشور جماعت اسلامی پاکستان بموقعہ انتخابات ۱۹۵۱ء (۹۶) ممبر مرکزی الیکشن بورڈ بسلسلہ نامزدگی امیدواران جماعت اسلامی (۹۷) ممبر کمیٹی برائے تحقیق ونظر ثانی بر رپورٹ جائزہ کمیٹی تشکیل شدہ ۱۹۵۶ء وغیرہ۔ (۹۸)

مولانا اصلاحی نے مجلس شوریٰ کے بعض اجلاسوں کی صدارت بھی کی تھی اس ضمن میں وہ اجلاس خاص طور سے قابل ذکر ہے جو ۱۹۵۴ء میں جیل سے رہائی کے بعد منعقد ہوا تھا اور جس میں ملکی حالات اور متوقع اسمبلی انتخابات کے پس منظر میں

بہت سے اہم فیصلے لیے گئے تھے چونکہ مولانا مودودی اس وقت جیل میں تھے اس لئے مولانا اصلاحی امیر جماعت کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے (۹۹)

مجالس شوریٰ کی کارروائیوں اور ارکان شوریٰ کی شہادتوں کے مطالعہ کے بعد یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مولانا اصلاحی شوریٰ کے انتہائی موثر اور باوزن رکن تھے۔ اور شوریٰ میں ان کی آراء کی بہت اہمت ہوتی تھی اور ان کے مطابق بہت سے اہم فیصلے ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مولانا کو یہ مقام محض اس لئے حاصل تھا کیونکہ وہ ایک مستند عالم اور مجتہد فقیہ تھے۔ ان کی فکر اور رائے کے استحکام واعتماد کے بارے میں ان کے ایک عقید تمند عبدالقادر حسن نے بہت صحیح لکھا ہے۔

"وہ صاف الفاظ میں ڈٹ کر بات کرتے تھے انہیں اپنے اوپر جس قدر اعتماد تھا اتنا اعتماد بہت کم علماء کو حاصل ہوگا۔ یہ تو وہی جانتے ہوں گے کہ کس مسئلہ اور معاملے پر رائے قائم کرنے میں وہ قرآن و سنت اور علماء کی آراء پر کس قدر غور کرتے ہوں گے۔ یہ ان کی ذات کا پوشیدہ معاملہ تھا۔ لیکن جب وہ کسی رائے پر پہنچ جاتے تھے تو پھر اس کے اظہار میں وہ جس حتمی انداز کو اختیار کرتے اس سے رجوع کرنے کے لئے کسی دوسرے امین احسن کی ضرورت پڑتی ہوگی۔" (۱۰۰)

خود مولانا امین احسن اصلاحی اپنی شخصیت کے اس وصف سے واقف اور اس کے معترف تھے، ۱۹۵۶ء کے اخیر میں مولانا مودودی سے ان کا شدید اختلاف ہوا اور ایک سال سے زائد عرصہ تک وہ اس کے باوجود مولانا کے ساتھ رہے۔ اس کی وجہ بھی ان کے اپنے الفاظ میں یہی تھی۔ وہ لکھتے ہیں :

"جماعت کی مجلس شوریٰ میں میری رائے بہت موثر تھی اسی بناء پر میں صحیح یا غلط یہ محسوس کرتا تھا کہ میں جماعت کو بحیثیت مجموعی غلط راہ پر جانے سے روک سکتا ہوں"۔

"اور یہ کہ جماعت میں نصب العین سے انحراف کو روکنے کے لئے واقعہ یہ

ہے کہ میں سب سے موثر شخص تھا۔"(۱۰۱)

مولانا اصلاحی نے اس کے علاوہ بھی مختلف تحریروں، خاص طور سے علیحدگی سے متعلق اپنے مکاتیب میں جماعت کی مجلس شوری کے فیصلوں میں اپنی شرکت اور اثر اندازی کا ذکر کیا ہے۔ جماعت سے علیحدگی سے قبل ماچھی گوٹھ اور کوٹ شیر سنگھ کی شوری کے اجلاسوں میں انھوں نے اسقدر جرات و بے باکی اور زوردار انداز میں مولانا مودودی اور ان کے ہم خیال اراکین کی رایوں کی مخالفت کی تھی کہ شوری کی کارروائی میں تعطل پیدا ہو گیا۔ اور ان کے بے لچک اور سخت موقف کی وجہ سے اس قرارداد میں بعض جزئی اور لفظی تبدیلیاں بھی کی گئیں جو ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے شرکاء کے سامنے برائے استصواب پیش ہونی تھی۔ (۱۰۲)

مولانا امین احسن اصلاحی دسمبر ۱۹۵۶ء تک جماعت کی جملہ سرگرمیوں میں پورے انہماک سے حصہ لیتے رہے لیکن اس کے بعد جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی بعض پالیسیوں اور کچھ فیصلوں سے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے انھوں نے رفتہ رفتہ اپنے آپ کو عام سرگرمیوں سے الگ کر لیا اور اپنی زیادہ تر دلچسپیوں کو علمی اور تصنیفی کاموں تک محدود کر لیا۔ اسی دوران حکومت پاکستان نے اسلامی قانون کی ترتیب و تدوین کے لیے 'اسلامی لاء کمیشن' مقرر کیا اور مولانا اصلاحی کو ان کی قانونی مہارت کی وجہ سے اس کا رکن مقرر کیا۔ وہ ۱۹۵۸ء تک اسی حیثیت میں کام کرتے رہے یہاں تک کہ ایوب خاں کے مارشل لاء کے عہد میں اس کمیشن کو ختم کر دیا گیا۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی

گزشتہ سطور میں جماعت اسلامی پاکستان کے اس اجتماع عام کا تذکرہ ہو چکا ہے جو نومبر ۱۹۵۵ء میں کراچی میں ہوا تھا اور جس میں جماعت کے بعض مخلص ارکان نے انتخابات سے متعلق جماعت کی تبدیل شدہ پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی تھی۔ جماعت اسلامی کی مرکزی قیادت اور مرکزی مجلس شوری نے ان ارکان کے اعتراضات اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ

اس کے بر عکس اضطراب اور بے چینی کے دائرہ میں وسعت ہو گئی۔ بالآخر جماعت کی مجلس شوری نے مارچ ۱۹۵۶ء میں اپنے ایک خصوصی اجلاس میں اس مسئلہ پر باضابطہ غور و فکر کیا۔ (۱۰۴) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی سمیت شوری کے بعض ارکان بھی انتخابات میں شرکت کے نتائج اور دوران انتخاب جماعت اسلامی کی بعض یونٹوں اور ارکان سے کچھ غیر اخلاقی اور غیر اسلامی اعمال و حرکات کے صدور کی وجہ سے انتخابی سیاست سے جماعت کو ایک معین مدت کے لئے الگ رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے مجلس شوری میں اس مسئلہ پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ اور پوری صورتحال کے مطالعہ اور اس کی روشنی میں ایک مفصل رپورٹ تیار کرنے کے لیے ایک جائزہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ ابتداء میں اس کمیٹی کے کل آٹھ ارکان تھے لیکن بعد میں یہ تعداد کم کر کے چار کر دی گئی۔ (۱۰۵) اس کمیٹی نے اہم مقامات کا دورہ کرنے اور ارکان جماعت کے تاثرات معلوم کرنے کے بعد نومبر ۱۹۵۶ء میں مرکزی مجلس شوری کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ مجلس شوری نے بحیثیت مجموعی اس رپورٹ کی تعریف کی اور اسے رکھ کر آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا۔ (۱۰۶) لیکن یہ شوری جائزہ کمیٹی کی رپورٹ کے اس حصے سے اتفاق نہیں کر سکی جس میں جماعت کے بارے میں اپنے مقصد اور نصب العین سے منحرف ہو جانے اور اسے پس پشت ڈال دینے کی بات کی گئی تھی۔ قائد تحریک مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کو رپورٹ کے اس حصہ سے شدید اختلاف تھا۔ دوسری طرف جائزہ کمیٹی کے ارکان اپنی رپورٹ میں کسی طرح کی ترمیم اور تبدیلی کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور وہ اس رپورٹ کو مکمل شکل میں نافذ دیکھنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے رپورٹ کے بعض اجزاء سے عام ارکان جماعت کو باخبر کر دیا اور اپنے موقف کی وضاحت کے لئے بعض بیانات اخبارات اور رسائل میں اشاعت کے لئے جاری کئے۔ جس سے یقیناً جماعت کا داخلی نظم متاثر ہوا۔ (۱۰۷) مولانا مودودی نے ان ارکان کی جماعتی نظم کی خلاف ورزیوں کو دیکھ کر ان سے جماعت کی مجلس شوری کی رکنیت سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف ان ارکان نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کے

باعث جماعت میں داخلی نوعیت کا ایک شدید تنازع اور اختلاف پیدا ہو گیا اس تنازع میں مولانا امین احسن اصلاحی کی ہمدردیاں جائزہ کمیٹی کے ارکان کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے مولانا مودودیؒ کے فیصلہ کی کھل کر مخالفت کی اور اسے جماعت کے دستور اور عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی قرار دیا۔ اپنے موقف کی وضاحت کے لئے انھوں نے کئی مفصل اور مدلل خطوط امیر جماعت کے نام تحریر کئے اور اس مسئلہ کے مناسب حل نہ نکلنے کی شکل میں جماعت سے مستعفی ہونے کی خواہش ظاہر کی۔(۱۰۸) اس طرح ارکان شوریٰ اور مرکزی قائدین کے درمیان موجود اختلاف اور زیادہ پیچیدہ شکل اختیار کر گیا۔ اس صورت حال سے تنگ آکر مولانا مودودی نے جماعت کی امارت سے استعفا دے دیا۔(۱۰۹) مولانا مودودی کے استعفا پر غور کرنے کے لیے مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں جائزہ کمیٹی کے چاروں اراکین اور مولانا امین احسن اصلاحی شریک نہیں تھے۔ شوریٰ کے اس اجلاس نے مولانا مودودی کی امارت پر غیر مشروط اعتماد کا اظہار کیا۔ اور جماعت کی پالیسی سے متعلق ان کے بعض فیصلوں اور اقدامات کی بھی توثیق کر دی۔ مولانا اصلاحی نے شوریٰ کے اس غیر مشروط اعتماد اور پالیسی کی توثیق کو امیر جماعت کے ان فیصلوں کی بھی حمایت اور تائید تصور کیا جو انھوں نے جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف کئے تھے۔ اس لئے انھوں نے جماعت کی رکنیت سے استعفا دے دیا۔ جسے انھوں نے بعد میں بعض ذمہ دار اراکین جماعت کی اس یقین دہانی کے بعد واپس لے لیا کہ امیر جماعت جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف کئے گئے فیصلوں کو نہ صرف واپس لے لیں گے بلکہ ان سے معافی مانگیں گے۔ لیکن بعد میں مولانا اصلاحی کو اس امر پر افسوس ہوا کہ یہ وعدے سچے ثابت نہیں ہوئے۔(۱۱۰)

مرکزی مجلس شوریٰ کی درخواست پر مولانا مودودی نے مشروط طور پر اپنا استعفا واپس لیا تھا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ پاکستان کی جماعت کے تمام ارکان کا کوئی اجتماع ہو اور اس میں جماعت کی موجودہ پالیسی پر بحث ومباحثہ کے بعد اس کے بارے میں ارکان کی رائیں طلب کی جائیں اور اس کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل طے ہو۔ مجلس شوریٰ نے

مولانا مودودیؒ کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے ۱۷تا۲۱ فروری ۵۷ء کو بہاولپور کے ایک غیر معروف مقام ماچھی گوٹھ میں ارکان کے ایک اہم اجتماع کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔(۱۱۱) یہ اجتماع اپنی معینہ تاریخوں میں منعقد ہوا اس میں جماعت کی پالیسی اور پروگرام پر کھل کر بحث و مباحثہ ہوا اور موافقین و مخالفین کی طرف سے طویل تقریریں ہوئیں۔ بعد میں شرکاء اجتماع کی جانب سے مولانا مودودی سے استعفا واپس لینے کی درخواست پر مشتمل ایک قرارداد پیش کی گئی جس کے حق میں چودھری غلام محمد، نعیم صدیقی اور مولانا اصلاحی وغیرہم نے تقاریر کیں۔(۱۱۲) مولانا اصلاحی نے اپنی انتہائی موثر اور زوردار تقریر میں مولانا مودودی کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا۔

> ''آپ ہم لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اب بھاگ کر کہاں جارہے ہیں، ہم آپ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔نہ بھاگنے دیں گے۔اپنی یہ ذمہ داری آپ ہی کو سنبھالنی پڑے گی۔''(۱۱۳)

انھوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا:

> ''یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، کانٹوں کی مالا ہے۔ ہم آپ کو گریبان سے پکڑیں گے۔اگر اس راہ پر آپ چل نہیں سکتے تھے تو جماعت اسلامی کی بنیاد کیوں رکھی۔''(۱۱۴)

جماعت اسلامی پاکستان کے دوسرے امیر میاں طفیل محمد نے یہ شہادت دی ہے کہ ''مولانا اصلاحی کی تقریر کے مذکورہ اقتباسات سے اجتماع کی فضا تبدیل ہو گئی۔ ۱۹۳۵ ارکان میں سے صرف ۱۵ ارکان مولانا مودودی سے غیر مطمئن رہ گئے اور باقی ۱۹۲۰ ارکان بشمول مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی کو استعفا واپس لینے پر مجبور کردیا۔(۱۱۵) لیکن مولانا اصلاحی کی متعدد تحریروں اور انٹرویوز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی سے استعفا واپس لینے کی قرارداد پر موافق تقریر کے محرک جماعت کے وسیع مفادات تھے۔وہ جماعت کو اضطراب اور بے چینی کے ماحول سے نکال کر سکون اور یکسوئی کی حالت میں لانا چاہتے تھے۔ تاکہ مسائل پر صحیح طور سے غور ہو سکے اور غلطیوں

کی نشاندہی کر کے ان کی تلافی کی کوشش کی جائے۔(۱۱۶) لیکن جہاں تک جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف امیر جماعت کی تادیبی کارروائی اور انتخابات میں جماعت کی براہ راست شرکت کا معاملہ تھا مولانا اصلاحی ان دونوں مسائل میں دستور جماعت کی دفعات اور مسلمہ اسلامی واخلاقی اصولوں کی بنیاد پر اپنے موقف کی صداقت اور صحت پر پختہ یقین رکھتے تھے اور اجتماع ماچھی گوٹھ اور اس کے دوران شوری کے متعدد اجلاسوں میں اپنی طویل تقاریر میں انھوں نے بار بار اپنے موقف کا اعادہ کیا اور مولانا مودودی کے موقف پر سخت تنقید کی۔ ان کے اصرار اور مسلسل مطالبہ کی وجہ سے مجلس شوری نے قدرے بہتر اور قابل قبول فیصلے بھی کیئے۔(۱۱۷)

اجتماع ماچھی گوٹھ میں مولانا مودودی نے اپنا استعفا واپس لینے سے پہلے فریضہ امارت کی بحسن وخوبی انجام دہی کی راہ میں حائل بعض مشکلات اور دشواریوں کا تذکرہ کیا ان میں سے بیشتر کا تعلق دستور جماعت میں مذکور امیر جماعت اور شوری کے باہمی تعلقات اور حدود واختیارات سے تھا۔(۱۱۸) دراصل مولانا مودودی جماعتی امور میں مجلس شوری کے بعض ارکان کی بار بار مداخلت سے پریشان تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ امیر جماعت کو زیادہ سے زیادہ مجلس عاملہ کا مشوروں کا پابند ہونا چاہئے۔ اور مجلس شوری کا کام پالیسی کے بنیادی اجزاء کی تعیین اور مشکل امور میں مددور ہنمائی تک محدود ہونا چاہئے۔ جماعت اسلامی پاکستان کی مجلس شوری نے ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے دوران اپنے متعدد اجلاسوں میں اور پھر بعد میں مئی ۱۹۵۷ء میں کوٹ شیر سنگھ میں اپنے ایک علیحدہ اور مستقل اجلاس میں مولانا مودودی کی پیش کردہ تجاویز اور مشکلات پر غور وفکر کیا اور بالآخر دستور جماعت میں بعض ایسی ترمیمات کی منظوری دے دی جن کا خلاصہ مولانا اصلاحی نے اس طرح بیان کیا ہے:

"بعد میں دستور میں وہ تمام ترامیم کر دی گئی جن کے بعد جماعت کا جمہوری اور شورائی نظام ایک آمرانہ اور ڈکٹیٹرانہ نظام میں بدل گیا۔ ترمیم شدہ دستور کے مطابق چند ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ بنائی گئی جسے بظاہر وسیع اختیارات

دیے گئے لیکن عملاً یہ تمام اختیارات امیر جماعت کی ذات میں مرتکز کر دیے گئے کیونکہ اس دستور کے مطابق اب امیر جماعت عاملہ کی اکثریت کی رائے کے پابند نہیں تھے اور وہ ساری عاملہ یا عاملہ کے چند ارکان کو جب چاہیں معزول کر سکتے تھے"۔(۱۱۹)

مولانا اصلاحی نے شوریٰ کی ان دستوری ترمیمات پر شدید اعتراض کیا۔ وہ ہمیشہ سے امیر جماعت پر شوریٰ کی بالادستی کے قائل تھے اور امیر کو شوریٰ کے فیصلوں کا پابند تصور کرتے تھے (۱۲۰) اس مسئلہ میں مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کے درمیان اختلاف رائے بقول پروفیسر خورشید احمد "بہت پہلے سے تھا اور اصولی نوعیت کا تھا۔ اس اختلاف کو ماچھی گوٹھ اور کوٹ شیر سنگھ میں کم کرنے کی کوشش کی گئی اور بہت سی باتیں گھنٹوں اور دنوں کی مشاورت کے بعد ارکان شوریٰ بشمول مولانا اصلاحی کے اتفاق سے طے بھی کر لی گئیں۔ البتہ مولانا اصلاحی دستور کی اس شق سے متفق نہیں ہو سکے تھے جس کا تعلق عاملہ کے اختیارات سے تھا"۔(۱۲۱)

مولانا اصلاحی ارکان جائزہ کمیٹی کے خلاف تادیبی کارروائی، انتخابات میں جماعت کی بڑھتی ہوئی دلچسپیوں اور اس کے منفی اور نقصان دہ پہلوؤں کے مشاہدہ و معائنہ کے بعد جماعت اسلامی اور اس کی قیادت سے بڑی حد تک غیر مطمئن ہو چکے تھے۔ اور اپنی اصلاح کی کوشش کا انجام کار، ناکامی دیکھ کر مستقبل میں کسی خوشگوار تبدیلی کے امکان سے مایوس ہو چکے تھے۔ طبعی اضمحلال اور اضطراب کے اس دور میں مرکزی شوریٰ کی دستور میں ترمیمات نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا اس درمیان میں کچھ مخلصین نے مصالحت اور موافقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی۔ جن میں پاکستان میں شام کے سفیر عمر بہاء الامیری خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔(۱۱۲) لیکن عصر حاضر کی ان دو علمی و فکری شخصیات کے مابین باہمی اعتماد اور اعتبار کو جو ٹھیس لگ چکی تھی اس کا زخم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا گیا اور بالآخر جدائی کا سبب بنا۔ اس طرح مولانا کی زندگی کے سترہ سالہ دور کا، جو انتہائی مصروف اور ملی اعتبار سے انتہائی مفید تھا خاتمہ ہو گیا۔ مولانا

اصلاحی نے جماعت سے علیحدگی اور استعفا کی اطلاع پر مبنی جو تحریر امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی خدمت میں ارسال کی تھی اس کا یہ اقتباس لائق مطالعہ ہے۔

"مجھے جماعت کی موجودہ پالیسی اور موجود نظام اور اس کے موجودہ دستور سے اتفاق نہیں ہے اور بد قسمتی سے آپ پر بھی آپ کے بعض اقدامات کے سبب مجھے اعتماد باقی نہیں رہا۔ جماعت کے کچھ مخلصین جو اصلاح احوال کی کوشش کر رہے تھے اب وہ بھی اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر مجھے اپنی مایوسی کی اطلاع دے چکے ہیں۔ اس وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ اب میں جماعت کی رکنیت سے استعفا دیتا ہوں۔" (۱۲۳)

مولانا اصلاحی نے اپنے ایک دوسرے مکتوب میں جماعت کے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور اس کے خاتمہ پر اپنے دلی اضطراب کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے:

"میں جانتا ہوں کہ آپ کی رفاقت سے محروم ہو کر میں کیا کچھ کھو رہا ہوں لیکن آپ کو بھی یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر آپ نے مجھ جیسے خیر خواہ اور مخلص شخص کے مشوروں کی قدر نہ کی تو آپ کو برے مشیروں کے مشورے ماننے پڑیں گے۔ میں دل سے متمنی تھا کہ مجھے آپ کی رفاقت حاصل رہے لیکن آپ نے اس کی جو قیمت مانگی ہے وہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔"

مولانا اصلاحی کے استعفا کے بعد مولانا مودودی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استعفا واپس لینے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن مولانا اصلاحی نے ان کو جو جواب دیا وہ ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

"میں نے کہا! مولانا میں نے عرض کر دیا ہے کہ استعفیٰ واپس لینے کے لیے نہیں ہے میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اور آپ نے مجھے جان لیا ہے۔ اب ہم شاید کبھی کبھی مجتمع نہیں ہو سکیں گے۔ ھذا فراق بینی وبینك۔ (۱۲۴)

بلاشبہ جماعت اسلامی سے مولانا اصلاحی کا استعفا بر صغیر اور عالمی تحریک

اسلامی کی تاریخ میں ایک المناک واقعہ اور جانکاہ حادثہ کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ تحریک اسلامی میں ان کا جو مقام و مرتبہ تھا وہ ظاہر اور نمایاں ہے۔ یہاں پروفیسر خورشید احمد مدیر ترجمان القرآن کی مفصل تحریر کا صرف ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

"تحریک اسلامی میں مولانا مودودی کے بعد جس ہستی نے ہمارے فکر و نظر اور سیرت و کردار کی تعمیر میں سب سے موثر اور فیصلہ کن رول ادا کیا وہ مولانا امین احسن اصلاحی ہی تھے۔ میرے لیے وہ ہمیشہ ایک عظیم محسن، مربی، استاد، مرشد اور رہنمارہے۔ میرے لئے ہی نہیں تحریک اسلامی کی تین نسلوں کے لئے۔ تاریخ میں ان کا شمار بیسویں صدی کے اسلامی احیائی فکر کے کلیدی معماروں میں ہوگا۔ افسوس کہ اس سلسلۃ الذہب کی وہ آخری کڑی تھے۔ ان کے انتقال سے بیسویں صدی کے اختتام سے تین سال قبل یہ آخری چراغ گل ہوگیا۔ جو بہت بڑی محرومی ہے لیکن امر ربی کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ (۱۲۵)

یہ صحیح ہے کہ چند دینی اور سیاسی امور میں شدید اختلاف کی وجہ سے مولانا اصلاحی نے جماعت اسلامی سے رکنیت کا رشتہ منقطع کرلیا تھا اور ایک مختصر عرصہ میں ان کے مولانا مودودی سے انتہائی سخت لب و لہجہ میں قلمی بحث و مباحثے بھی ہوئے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کا جو ہمہ گیر تصور اور اس کے غلبہ کی جو جدو جہد انھوں نے تحریک میں رہتے ہوئے کی تھی تحریک سے علیحدگی کے بعد بھی وہ اسی نہج پر کام کرتے رہے۔ ان کی تفسیر تدبر قرآن میں غلبہ دین کے اسی جذبہ اور ولولہ کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ دوسری طرف جماعت اسلامی کے کارکنان اور قائدین بھی مولانا اصلاحی کے لٹریچر سے پہلے کی طرح استفادہ کرتے رہے اور وہ ان کے علمی اور تربیتی نصاب کا اسی طرح حصہ رہا جس طرح مولانا اصلاحی کے جماعتی دور میں تھا۔ بلکہ مولانا کی بعض تحریکی تصانیف کا آج بھی کوئی متبادل نہیں ہے اور وہ پہلے کی طرح جماعتی افراد کی تعلیم و تزکیہ اور رشد و ہدایت کا سامان تسلیم کی جاتی ہیں۔

تحریکی عہد کی تصنیفات اور مقالات

مولانا امین احسن اصلاحی ایک متبحر عالم دین اور صاحب طرز ادیب تھے۔ علمی حلقوں میں ان کی تحریروں کے عمدہ طرز بیان اور قوی طرز استدلال کا اعتراف اخبار "مدینہ" بجنور اور مجلّہ 'الاصلاح' سرائے میر سے وابستگی کے زمانے میں ہی کیا جاتا رہا ہے۔ علامہ حمید الدین فراہی کی مشکل علمی اور فکری عربی عبارتوں کو فصیح وبلیغ اور رواں اردوزبان میں منتقل کر کے وہ اپنی علمی لیاقت اور ادبی مہارت کا لوہا منوا چکے تھے۔ دارالاسلام پٹھان کوٹ آنے کے بعد جماعتی ضروریات کے تحت انہیں اپنی تحریری صلاحیتوں کے اظہار کے اور زیادہ مواقع ملے۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا مودودی کی علالت کی وجہ سے ماہنامہ ترجمان القرآن کی ادارت عملاً ان کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ جو دو سال سے زائد عرصہ تک ان سے وابستہ رہی اس طویل عرصہ میں انھوں نے ترجمان القرآن میں اشارات کے علاوہ مستقل مقالات اور قارئین کے سوالات کے جولبات تحریر کیے۔ (۱۲۶)

مولانا اصلاحی کی تصانیف مواد اور موضوع کے اعتبار سے بے حد اہم ہیں۔ ان سے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جائے گا۔ یہاں صرف زمانی ترتیب کے مطابق ان کا ایک مختصر سا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ اس اعتبار سے "مبادی تدبر قرآن" اور "حقیقت نماز" ان کی اولین تصانیف قرار پائیں گی۔ کیونکہ "حقیقت نماز" کی تمام بحثیں اور "مبادی تدبر قرآن" کے اکثر مباحث مجلّہ "الاصلاح" سرائے میر اعظم گڑھ میں مقالات کی شکل میں شائع ہو چکے تھے۔ (۱۲۷) جماعت میں شمولیت کے بعد اور دارالاسلام پٹھانکوٹ منتقل ہونے سے پہلے مولانا اصلاحی کم از کم ساڑھے تین سال تک مدرسۃ الاصلاح پر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دوران انھوں نے "حقیقت شرک" اور حقیقت توحید" کے بیشتر مباحث تحریر فرمائے تھے اور جب وہ دارالاسلام منتقل ہوئے ہیں تو ان کی ان دونوں کتابوں کے مسودے تیار شکل میں موجود تھے۔ کیونکہ مولانا کی پٹھان کوٹ تشریف آوری کے بعد جون ۱۹۴۴ء میں "حقیقت شرک" قرولباغ دہلی میں قائم "دائرہ حمیدیہ" سے شائع ہو گئی تھی اور اس کے اخیر میں تین اور کتابوں "حقیقت توحید"، "حقیقت نماز" اور "تدبر قرآن" کے زیر

طبع ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔(۱۲۸) لیکن بعد میں شاید ان میں سے صرف "حقیقت نماز" شائع ہو سکی۔ "حقیقت شرک" اور "حقیقت توحید" تقسیم ملک سے قبل اور "حقیقت نماز" تقسیم ملک کے بعد مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی سے شائع ہوئی تھیں اور "مبادی تدبر قرآن" "مکتبہ چراغ راہ، کراچی سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔(۱۲۹) مولانا اصلاحی کے دار الاسلام پٹھانکوٹ منتقل ہونے کے بعد "حقیقت شرک" اور "حقیقت توحید" کے بعض مباحث ماہانہ ترجمان القرآن میں بھی شائع ہوئے تھے۔(۱۳۰) ان دونوں کتابوں کے جماعت کے مرکزی مکتبہ سے شائع ہونے کے وقت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ دارالاسلام پٹھانکوٹ میں ارکان کے کل ہند اجتماع منعقدہ ۱۹/ تا ۲۱/ اپریل ۱۹۴۵ء میں انہیں جماعت کے مطبوعہ یا زیر طبع لٹریچر میں دکھایا گیا ہے۔ (۱۳۱) ان کتابوں کی علمی اور تحریکی افادیت کے پیش نظر مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے ماہانہ ترجمان القرآن کے اشارات میں ان کی طباعت کا تذکرہ کیا ہے۔(۱۳۲)

دارالاسلام منتقل ہونے کے بعد مولانا اصلاحی نے اپنی دو معرکۃ الآرا تصانیف "حقیقت تقویٰ" اور "دعوت دین اور اس کا طریق کار" مرتب کیں۔ انھوں نے یہ دونوں کتابیں متوسلین جماعت کی اصلاح و تربیت اور جماعت کے مقصد اور نصب العین کی تشریح و توضیح کے تحت تحریر کی تھیں۔ حقیقت تقوی کے بیشتر مباحث مارچ ۴۵ء تا دسمبر ۴۵ء کے "ترجمان القرآن" میں اشارات کے کالم میں شائع ہوئے اور "دعوت دین اور اس کا طریقہ کار" کے تمام ابواب دسمبر ۴۵ء تا اپریل ۴۷ء کے ترجمان القرآن کے شماروں میں کبھی اشارات کے کالم میں اور کبھی مستقل مضمون کی صورت میں شائع ہوئے۔ تقسیم ملک سے پہلے ان دونوں کتابوں میں سے صرف "حقیقت تقویٰ" چھپ سکی تھی۔ (۱۳۳) اور "دعوت دین اور اس کا طریقہ کار" کا مسودہ کتابت کی غرض سے کاتب کے پاس تھا کہ تقسیم ملک کے ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا اور کاتب صاحب اپنے بہت سے سامان کے ساتھ وہ مسودہ بھی اپنے گھر چھوڑ کر پاکستان منتقل ہو گئے۔ بعد میں جب مولانا اصلاحی جیل میں تھے مکتبہ جماعت اسلامی کے ذمہ داران نے اسے شائع

کر دیا۔ مولانا نے جیل سے رہائی کے بعد اس پر نظر ثانی کی اور اس کی عبارتوں کو درست کیا اس طرح جون ۱۹۵۱ء میں اس کا ترمیم شدہ ایڈیشن شائع ہوا۔ (۱۳۴)

مولانا کی مذکورہ بالا تصانیف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں بنیادی رہنمائی قرآن کریم سے حاصل کی گئی ہے اس طرح گویا انھوں نے اپنے استاد امام حمید الدین فراہی کی اس ہدایت پر عمل کیا کہ ہر علم اور فن کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ مولانا اصلاحی نے ان کتابوں کے بارے میں ایک انٹرویو میں اپنے خیالات اور تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :

> "میری ایک کتاب "مبادی تدبر قرآن" ہے جس میں میں نے قرآن مجید کی تفسیر کے اصول بیان کیئے ہیں۔ 'حقیقت توحید'، 'حقیقت شرکت'، 'حقیقت نماز' اور 'حقیقت تقویٰ' میرے ایسے رسائل ہیں جو میں نے دین کے بنیادی عقائد اور دین کی حکمت کی وضاحت میں لکھے ہیں۔ 'دعوت دین اور اس کا طریقہ کار' میری سب سے مقبول کتاب ہے۔ مجھے خود بھی یہ کتاب سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس میں میں نے پرانے طریقہ تبلیغ کی بھی کچھ غلطیاں واضح کی ہیں اور اب جو سیاسی طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس پر بھی تنقید کی ہے۔ انبیاء کی دعوت کے طریقہ کار کو میں نے اس کتاب میں اصل موضوع بنایا ہے"۔ (۱۳۵)

مذکورہ بالا کتابوں میں سے دعوت دین اور اس کا طریقہ کار علمی اور تحریکی حلقوں میں سب سے زیادہ مقبول کتاب ہے۔ پاکستان کے ایک کہنہ مشق صحافی عطاء الرحمٰن نے اس کتاب کو اپنے موضوع پر ایک شاہکار (Classic) اور اردو زبان کے دینی لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ قرار دیا ہے۔ (۱۳۶) کتاب کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک کویتی تاجر نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ گرچہ یہ اقدام مولانا کی اجازت کے بغیر کیا گیا تھا۔ جس پر مولانا کو ناراضگی بھی تھی۔ (۱۳۷)

تقسیم ملک کے بعد پاکستان کے مخصوص حالات، امت مسلمہ کی ضروریات اور

جماعت اسلامی پاکستان کی ترجیحات کے تحت مولانا اصلاحی نے اسلامی ریاست، اسلامی قانون اور اسلامی معاشرت جیسے مہتم بالشان موضوعات کو اپنی تحریروں اور تقاریر میں خصوصی اہمیت دی تھی اور ان کے مختلف پہلوؤں کو بہت دلنشیں اور مدلل انداز میں اجاگر کیا تھا۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد حکومتی سرپرستی کے تحت ایسے ادارے قائم ہونے لگے جو عورتوں کی آزادی اور ملک میں ثقافتی تبدیلی کے علمبردار تھے۔ مولانا نے ان سرگرمیوں کو اسلامی شریعت سے متصادم اور مسلم معاشرہ کے لئے تباہ کن تصور کیا اور ان کے قلع قمع کے لئے "قرآن میں پردہ کے احکام" (۱۳۸) اور "پاکستانی عورت دوراہے پر" (۱۳۹) کے عنوان سے دو کتابیں تحریر کیں ان میں سے اول الذکر کتاب میں انھوں نے قرآن مجید میں پردہ کے حکم کی موجودگی اور اس کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے اور بعض تجدد پسند تنظیموں اور افراد کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا ہے کہ قرآن میں پردہ کا حکم موجود نہیں ہے۔ اور یہ کہ پردہ قدامت پرست علماء کی ایجاد ہے۔ ثانی الذکر کتاب "پاکستانی عورت دوراہے پر" زبان کی سلاست اور مواد کی عمدگی کی وجہ سے کافی مشہور ہوئی۔ پاکستانی جماعت کے بعض سرکردہ افراد کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ اس کتاب کے کئی نسخے اپنے پاس رکھتے تھے اور بوقت ضرورت اسے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ (۱۴۰) اس کتاب کے بارے میں پاکستان کے ایک نامور صحافی نے یہ شہادت بھی دے ہے کہ اس نے لیاقت علی خاں اور اس دور کے اکابرین حکومت اور مغربی تہذیب کے علمبرداروں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ (۱۴۱) مولانا سید ابو الاعلی موجودودی نے اس کتاب کو پاکستان میں قائم اور جاری فکری محاذ آرائی کے سدباب اور مقابلہ کرنے کی ایک کامیاب کوشش قرار دیا ہے۔ (۱۴۲) خود مولانا امین احسن اصلاحی ان دونوں کتابوں کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان کے ترجمہ کی ضرورت کے قائل تھے۔ ان میں سے "قرآن میں پردہ کے احکام" کا عربی ترجمہ ان کے ایک شاگرد مولانا عبدالحسیب اصلاحی نے کیا۔ جو بیروت سے شائع ہوا۔ (۱۴۳)

اس کے علاوہ مولانا اصلاحی نے اسلام کے تصور ریاست، اسلامی ریاست کے

مقاصد، اس کے کارکنوں اور عہدہ داروں کے فرائض واختیارات اور اس کے شہریوں کے حقوق کی تشریح وتوضیح کے لئے انتہائی قیمتی اور مدلل سلسلۂ بحث کا آغاز کیا۔ وہ اس سے متعلق چار ابواب (کتابچے) تحریر فرما چکے تھے کہ ۱۹۴۸ء کے اخیر میں انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ تاہم وہ جیل میں بھی اس کی ترتیب وتالیف میں مصروف رہے۔ جس کا اندازہ ان کے فرزند ابو صالح اصلاحی کے نام تحریر شدہ ان کے خطوط کے مطالعہ سے ہوتا ہے (۱۴۴) وہ جیل ہی میں تھے کہ جماعت اسلامی کے اشاعتی ادارہ نے ان مباحث کو چھاپنے کا پروگرام بنالیا۔ مولانا اصلاحی کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اولاً اسے پسند نہیں کیا اور بعد میں اس کی اجازت بھی دی تو کتاب کی ترتیب کے سلسلے میں اپنے مجوزہ خاکہ کی وضاحت کے ساتھ اور اسے قائم رکھنے اور ظاہر کرنے کی ہدایت کے ساتھ اجازت دی۔ (۱۴۵) اس کے مطابق اس کتاب کے چار مباحث "کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف"، "شہریت کے حقوق اور فرائض"، "غیر مسلموں کے حقوق" اور "اطاعت کے شرائط وحدود" کے عناوین سے شائع ہوئے (۱۴۶) ان مباحث کی اہمیت کے پیش نظر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ماہنامہ ترجمان القرآن کے اشارات میں قارئین مجلّہ کو اس کی اشاعت کی اطلاع دی اور اسے جماعت کے طباعتی سلسلہ کی ایک اہم پیش رفت قرار دیا۔ (۱۴۷) مولانا مودودی کے علاوہ جماعت اسلامی اور اس سے باہر کے حلقے کے کئی معروف اہل علم اور دانشوروں نے اس کتاب کے بارے میں اپنے بیش قیمت خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے معروف فکری رہنما خرم مراد اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

> "قیام پاکستان کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی نے اسلامی ریاست پر چار کتابچے لکھے تھے جس میں ایک "شہریت کے حقوق" کے بارے میں تھا۔ وہ کتابچہ مجھے بے حد پسند تھا۔ ان چیزوں نے فکری اٹھان اور ذہنی ساخت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ (۱۴۸)

خود مولانا اصلاحی نے مختلف مواقع پر ان مباحث کا شاندار الفاظ میں تعارف

پیش کیا ہے۔ اپنے ایک خط میں انھوں نے مولانا مودودی کی بعض تحریروں سے موازنہ کرتے ہوئے غیر مسلموں کے حقوق سے متعلق اپنے کتابچے کو طرز و اسلوب اور استدلال واستنباط کے اعتبار سے قوی تر بتایا ہے۔(۱۴۹) مولانا کو اس موضوع سے یک گونہ لگاؤ اور شغف تھا اسی لئے وہ اس سلسلے کو مکمل کر لینے کے خواہشمند تھے۔ ۱۹۵۶ء کے آخیر میں جب کہ وہ جماعت اسلامی میں عملی سرگرمیوں اور جدوجہد سے کسی حد تک کنارہ کش ہو گئے تھے اس ناتمام علمی سلسلے کی تکمیل کا ارادہ کیا اور اس سے متعلق دو تین مقالات بھی ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع کئے۔ (۱۵۰) لیکن جماعت سے علیحدگی کے بعد تفسیر تدبر قرآن اور حدیث سے غیر معمولی شغف نے اس کی تکمیل کا موقع نہیں دیا۔

اسلامی ریاست سے متعلق مولانا کی دوسری کتاب "فقہی اختلافات اور ان کا حل" ہے یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں مکتبہ چراغ راہ، کراچی سے شائع ہوئی۔ اس وقت ماہنامہ ترجمان القرآن میں اس کتاب پر ایک تبصرہ شائع ہوا تھا جس میں اعتراف کیا گیا تھا کہ یہ کتاب ایک اہم مسئلے کو محیط ہے اور اس کا انداز تحقیقی اور سائنٹفک ہے (۱۵۱) مولانا اصلاحی نے اپنے ایک انٹرویو میں اس کتاب کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ "اس سے ان فقہی تعصّبات پر ضرب لگی ہے جو مسلمانوں کے مختلف فقہی گروپوں میں پائے جاتے تھے اور لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان تعصّبات کی دین میں کوئی بنیاد نہیں ہے"۔ (۱۵۲) پاکستان کے مشہور قانون داں جسٹس (ر) افضل چیمہ نے اس کتاب پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا اصلاحی نے اس کتاب میں فقہی اختلافات کو رفع کرنے کے لئے انتہائی مدبرانہ اور معقول تجاویز پیش کی ہیں۔ کیونکہ وہ ان اختلافات کے باعث ملی اتحاد کو خطرہ میں محسوس کرتے تھے۔ (۱۵۳)

جماعت اسلامی سے وابستگی کے دنوں میں مولانا اصلاحی کے ذمہ ایک مستقل کام متوسلین جماعت کی تعلیم و تربیت تھی۔ قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ اور مسلسل غور و فکر کی وجہ سے انہیں اس موضوع سے خصوصی دلچسپی ہو گئی تھی۔ اسی لئے انہیں جماعت کی جانب سے قائم شدہ چار تربیت گاہوں میں سے تین کا انچارج بنایا

گیا تھا۔ مولانا نے ان تربیت گاہوں میں جو لکچرس دئے تھے بالعموم ان کی اہمیت اور افادیت کا اعتراف کیا گیا تھا اور مختلف افراد اور حلقوں کی طرف سے انہیں کتابی شکل میں چھاپنے کی درخواست کی گئی تھی۔ مولانا نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے ۱۹۵۳ء میں اس کی ابتدائی قسطیں شائع کیں۔(۱۵۴) لیکن اسی دوران اپنی اچانک گرفتاری کی وجہ سے وہ اس سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے۔ ۱۹۵۴ء میں جب انہیں جیل سے رہائی ملی تو اسے دوبارہ شروع کیا۔ پھر کچھ وقفوں کے ساتھ نومبر ۱۹۵۷ء تک یہ سلسلہ مضامین ماہنامہ ترجمان القرآن میں قارئین کے نذر کرتے رہے۔(۱۵۵) اسی سال کے اختتام میں یہ مضامین تزکیہ نفس کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوگئے۔(۱۵۶) مولانا نے اس کتاب کے مقدمہ میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ یہ کتاب ان کی دینی فکر کا لب لباب ہے۔انھوں نے برسوں کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد دین و شریعت کی جو روح سمجھی تھی اس کا ایک حصہ اس کتاب میں منتقل کردیا ہے۔(۱۵۷) ان کے پیش نظر خاکہ کے مطابق یہ کتاب تین اجزاء پر مشتمل تھی۔ لیکن وہ اس کے دو حصے ''تزکیہ علم'' اور ''تزکیہ عمل'' مکمل کرسکے تھے کہ جماعت اسلامی سے علیحدگی کا حادثہ پیش آگیا پھر دوسری موقر علمی اور دینی خدمات نے اس کی طرف توجہ کرنے سے معذور رکھا۔

تحریکی حلقوں میں ''دعوت دین اور اس کا طریقہ کار'' کے بعد مولانا کی جس تصنیف کو بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی وہ یہی کتاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دور حاضر کے انسان کے سامنے اصلاح و تربیت کے واضح خطوط پیش کرتی ہے اور تربیت و تزکیہ کے غلط راستوں سے اسے دور رکھتی ہے۔ مولانا اصلاحی نے کتاب کی اس اہمیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

''میں نے اس کتاب میں ان لوگوں کی رہنمائی کی ہے جو اپنے نفس کی اصلاح و تربیت کرنا چاہتے ہیں اس سے تزکیہ کے وہ اصول و مبادی انشاء اللہ سامنے آجائیں گے جو کتاب و سنت میں بیان ہوئے ہیں اور ساتھ وہ بہت سی غلط فہمیاں رفع ہوجائیں گی جو غلط قسم کے تصوف کی راہ سے ہمارے اندر پھیل

گئی ہیں چونکہ اس کتاب کا موضوع وہی ہے جو تصوف کا ہے اس وجہ سے مجھے جگہ جگہ اس میں مروجہ تصوف پر تنقید کرنی پڑی ہے (۱۵۸)

مستقل تصانیف کے علاوہ مولانا اصلاحی کے تحریری سرمایے کا بہت بڑا حصہ مقالات اور سوالات واعتراضات کے جوابات کی شکل میں محفوظ ہے۔ یہ مقالات اور جوابات زیادہ تر جماعت کے آرگن "ترجمان القرآن" میں شائع ہوئے۔ ان میں سے بعض جماعتی فکر کے علمبردار دوسرے رسائل میں بھی چھپے تھے۔ مولانا اصلاحی نے قیام پاکستان کے بعد اسلامی قانون کی تدوین اور اسلامی ریاست سے متعلق کئی دقیع تصانیف تحریر کی تھیں۔ لیکن ان مسائل کو لے کر اس وقت پاکستان میں جو قلمی جنگ چھڑی ہوئی تھی اس میں مولانا جیسے ذی علم اور ذی استعداد فرد کے لئے چند تصانیف پر اکتفا کر لینا ناممکن تھا چنانچہ انھوں نے وقتاً فوقتاً اس موضوع سے متعلق انتہائی بیش قیمت اور وقیع مقالات تحریر کئے۔ ان میں "اسلامی قانون کی تدوین" (۱۵۹) اسلام میں شوری اور قانون سازی کی صحیح نوعیت (۱۶۰) "عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ" (۱۶۱) ریاست کا اسلامی تصور" (۱۶۲) اور "مسودہ قانون وضاحت قانون شریعت ۱۹۵۴ء" (۱۶۳) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا اصلاحی کے مقالات کا دوسرا اغالب پہلو جماعت اسلامی کی فکر اور اس کے نصب العین وغیرہ کی تشریح وتوضیح اور ان کے بارے میں پیش کئے جانے والے اعتراضات واشکالات کا ازالہ اور تردید ہے۔ اس حقیقت سے سب لوگ آگاہ ہیں کہ مختلف اسباب ووجوہ کی بناء پر جماعت اسلامی کی مخالفت ہمارے روایتی دینی حلقوں اور علماء کی طرف بھی ہوئی ہے۔ مولانا اصلاحی کا قد چونکہ معاصر علماء میں بھی کافی بلند تھا اور ان کے علمی وقار واعتبار کے تمام علماء قدر داں اور معترف تھے۔ اس لئے وہ جب تک جماعت میں رہے ان علماء اور مذہبی حلقوں کے خلاف اور جماعت کے دفاع کے لئے سینہ سپر رہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے جماعت کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ اس مقصد کے لئے لکھے گئے مقالات تو بہت زیادہ ہیں اور سب مطالعہ کے لائق ہیں۔ لیکن

خاص طور سے وہ تین مقالات جن میں انھوں نے مولانا عبدالرشید محمود گنگوہی، مولانا محمد منظور نعمانی، اور کسی معروف اہل حدیث عالم کے اعتراضات کی جوابات دئے ہیں۔ وہ اپنی مثال آپ ہیں۔(۱۶۴)ان میں انھوں نے مختلف اعتراضات کا جس جزرسی کے ساتھ تتبع اور استقصا کیا ہے وہ انکی نقد و تبصرہ اور تجزیہ واستدلال کی گوناگوں خصوصیات کی غمازی کرتی ہے۔ان تحریروں کا مطالعہ کرنے والا بے اختیار ہو کر صاحب تحریر کے علم کی گہرائی، مطالعہ کی کثرت، زبان وبیانؒ کی سلاست اور استدلال واستنباط کی مہارت کی گواہی دے گا۔ اسلامی ریاست اور جماعت اسلامی کی بابت تحریر کردہ مذکورہ بالا نوعیت کے مقالات کا ایک انتخاب ”تنقیدات“ کے نام سے کتابی شکل میں شائع بھی ہوا ہے۔ (۱۶۵)اس کے علاوہ مولانا اصلاحی نے مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا عبدالرشید محمود گنگوہی، کے اعتراضات اور الزامات کی تردید میں جو مقالے تحریر کئے تھے وہ اس قدر مفصل، مدلل اور پہلودار تھے کہ جماعت اسلامی کے مرکزی مکتبہ نے انہیں الگ سے پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا(۱۶۶) یہ دونوں کتابچے آج بھی جماعت اسلامی کی دعوت ،اس کے مقاصد اور طریقہ کار کو سمجھنے اور بعض علماء کی جانب سے جماعت اسلامی کی مخالفت کے اسباب اور اس کے مالہ و ماعلیہ سے واقفیت کے بہت معتمد اور مستند مآخذ اور مراجع ہیں۔

مولانا اصلاحی کے مقالات کا ایک بڑا حصہ جماعت اسلامی سے متعلق اور غیر متعلق افراد کی علمی و فکری مشکلات میں رہنمائی اور انکی ذاتی الجھنوں اور پریشانیوں کے ازالہ اور انہیں صبر واستقامت کی تلقین پر مشتمل تھا۔اس طرح کے مقالات تعداد کے اعتبار سے دیگر نوعیت کے مقالات کے بالمقابل سب سے زیادہ ہیں۔ان میں سے بعض منتخب مضامین کا ایک خوبصورت اور مفید مجموعہ ”توضیحات“ کے نام سے شائع ہوا اور تشنگان علم کی سیری اور سیرابی کا باعث بنا۔اس مجموعہ میں مولانا کے کل چوبیس مقالات شامل ہیں جس میں سے بعض اگر جماعت اسلامی اور اس کے افراد سے متعلق مسائل پر محیط ہیں تو بعض قرآن، حدیث اور فقہ کے انتہائی پیچیدہ اور مشکل مباحث پر روشنی

ڈالتے ہیں۔اس مجموعہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں دائرہ حمیدہ کے ترجمان مجلّہ ''الاصلاح'' میں مولانا اصلاحی کے بعض مطبوعہ مضامین بھی شامل ہیں۔(۱۶۷)

جماعت اسلامی ہندوپاک کے مطبوعہ لٹریچر کا ایک حصہ مولانا اصلاحی کے وہ خطبات اور تقاریر بھی ہیں جو انھوں نے مختلف اجتماعات، کانفرنسیز اور علمی مجالس میں کی تھیں۔ تقسیم ملک سے پہلے جماعت کے کل ہند اور علاقائی سطح کے بیشتر اجتماعات میں وہ شریک تھے اور ان میں انھوں نے ارکان جماعت اور مسلم عوام کی علمی، دینی اور اخلاقی حالت کو سامنے رکھ کر بہت بیش قیمت اور موثر تقریریں کی تھیں۔ تقسیم ملک سے پہلے کے جماعت اسلامی کے ان اجتماعات کی روداد پانچ حصوں میں مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔ان میں مولانا اصلاحی کی آٹھ سے زائد تقاریر موجود ہیں۔اس کے علاوہ مولانا نے ۱۹۴۵ء سے پہلے سیالکوٹ اورالہ آباد کا سفر کیا تھا اور تین اہم تقاریر کی تھیں یہ تقاریر ''دعوت اسلامی اوراس کے مطالبات'' نامی کتاب میں محفوظ ہیں الہ آباد میں خواتین کے ایک خصوصی اجتماع سے مولانا نے ایک مختصر اور جامع خطاب کیا تھا، یہ تقریر بھی مولانا مودودی کی دو تقاریر کے ساتھ ''دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ'' کے عنوان سے شائع ہوگئی۔(۱۶۸)

تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں مولانا اصلاحی کو عوام سے رابطہ اور خطاب کرنے کے بہت زیادہ مواقع میسر ہوئے۔ ۱۹۴۸ء کے بالکل آغاز میں انھوں نے راولپنڈی کمشنری کے کئی اضلاع کا دورہ کیا اور اس وقت کی مناسبت سے 'آزادی اور اس کے اسلامی تقاضے، کے موضوع پر تقریریں کیں۔ان تقاریر کا خلاصہ مذکورہ عنوان سے جماعت اسلامی پاکستان نے شائع کردیا تھا۔(۱۶۹)اس کے علاوہ مولانا نے اپنی پہلی گرفتاری سے رہائی کے بعد لاہور میں عوام کے ایک بڑے جلسے سے خطاب کیا تھا جو بعد میں ماہنامہ ترجمان القرآن میں ''ہمیں کس مقام پر لاکر کھڑا کردیا گیا ہے'' کے عنوان سے شائع ہوا۔(۱۷۰) مولانا کی وہ تقریر بھی ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع ہوئی تھی جو انھوں نے کراچی کے ککری گراؤنڈ میں ۱۹۵۱ء میں جماعت کے ارکان کے سامنے کی

تھی اور جس کی اثر انگیزی اور سحر آفرینی کا اعتراف متعدد اہل علم و فضل نے کیا ہے ۔ مولانا کی ایک مطبوعہ تقریر انکی شہرہ آفاق تصنیف 'مبادئ تدبر قرآن' میں اس کی ایک الگ فصل کی حیثیت سے موجود ہے ۔ یہ تقریر انھوں نے دسمبر ۱۹۵۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے اسلامیات کے طلبہ کے سامنے کی تھی۔

مراجع و مصادر

۱۔ امین احسن اصلاحی، ترجمہ تفسیر، الکوثر، ترجمان القرآن، ج ۷ عدد ۱، ۲، ۳، ۴، رجب تا شعبان ۱۹۵۴ء

۲۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۲ء تک ترجمان القرآن کے مختلف شماروں میں مولانا مودودی کے قلم سے مولانا فراہی کے کل آٹھ تفسیری اجزاء پر تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو خورشید احمد، ادبیات مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۵، ص ۳۴۷ تا ۳۶۶

۳۔ ترجمان القرآن، ج ۸، عدد ۱

۴۔ ترجمان القرآن، ج ۸، عدد ۵، ۶، ج ۹، عدد ۱، ۲، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ تا شعبان ۱۳۵۵ھ

۵۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۱ء کے درمیان ترجمان کے مختلف شماروں میں جن اصلاحی حضرات کے کئی طویل اور قسط وار مقالات شائع ہوئے ان میں مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی، مولانا صدر الدین اصلاحی، مولانا نجم الدین اصلاحی، اور مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے نام قابل ذکر ہیں۔

۶۔ ترجمان القرآن، ج ۱۳، عدد ۱، ستمبر ۱۹۳۸ء

۷۔ خورشید احمد، ترجمان القرآن، ج ۱۲۵، عدد ۴، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۵۱

۸۔ امین احسن اصلاحی، ماہنامہ 'الاصلاح' سرائے میر اعظم گڑھ، ج ۴، عدد ۱، ۲، ۳، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۵۱۔ ۶۴ فروری ۱۹۳۹ء ص ۵۱ تا ۶۴، مارچ

۱۹۳۹ء ص ۶۰۔ ۶۴

۹۔ امین احسن اصلاحی، ترجمان القرآن، ج ۱۶، عدد ۳، ۴، رمئی جون ۱۹۴۰ء،
ص ۲۷۵۔ ۲۹۰

۱۰۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ اول، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۲ء، ص ۳۸

۱۱۔ ایضا ص ۲۷

۱۲۔ ترجمان القرآن، ج ۱۹، عدد ۴، ۵، ۶، دسمبر ۱۹۴۰ء تا جنوری ۱۹۴۱ء
ص ۲۱۳۔ ۲۱۸

۱۳۔ محمد منظور نعمانی، مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سر گزشت،
الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۸۱ء ص ۴۶، ۴۷

۱۴۔ نظام الدین اصلاحی، مکتوب بنام مدیر حیات نو، حیات نو، بلریا گنج، اعظم گڑھ،
ج ۱۴، عدد ۳ مارچ ۱۹۹۸ء ص ۴۶

۱۵۔ روداد جماعت اسلامی، حصہ اول، ص ۳۸ / محمد منظور نعمانی، سر گزشت، ص ۴۹

۱۶۔ روداد جماعت اسلامی، حصہ اول، ص ۶۵

۱۷۔ سید نقی علی، سید مودودی کا عہد، مکتبہ ذکریٰ رامپور۔ ۱۹۸۱ء ص ۱۳۵۔ ۱۳۶

۱۸۔ روداد حصہ اول، ص ۸۵

۱۹۔ حاجی رشید الدین فراہی، مکتوب بنام مولانا مودودی، مجلہ انجمن طلبہ مدرسۃ
الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، نمبر ۱۱، ص ۲۱۴۔ ۲۱۷

۲۰۔ جلیل احسن ندوی، نقوش و تاثرات، ادارہ علمیہ، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج،
۱۴۱۰ھ ص ۶۳۔ ۶۴

۲۱۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ دوم مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور، ۱۹۵۸ء ص ۳

۲۲۔ ایضا، ص ۳۶۔ ۴۷

۲۳۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ دوم مکتبہ جماعت اسلامی ہند، رامپور، ص ۵۶

۲۴۔ ابو البیان حماد، مولانا امین احسن اصلاحی، زندگی نو، نئی دہلی،، ۲۴ر ۸، اگست

۱۹۹۸ء ص ۶۳

۲۵۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ دوم، ص ۳۳۔ ۳۴

۲۶۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ سوم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۳ء ص ۱۷۱۔ ۲۰۰ / روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ چہارم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۶۹ء ص ۹۔ ۲۸، ۱۰۴۔ ۱۱۲، ۱۱۳۔ ۲۲۴، روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ پنجم، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۵ء ص ۱۸۹۔ ۲۰۱، ۲۰۲۔ ۲۱۰، ۲۱۹۔ ۲۲۵، ۲۲۷۔ ۲۳۵

۲۷۔ روداد جماعت اسلامی ہند حصہ پنجم، ص ۲۳۹

۲۸۔ روداد جماعت اسلامی ہند حصہ پنجم ص ۲۳۸

۲۹۔ سید نقی علی، سید مودودی کا عہد، ص ۱۹۸۔ ۲۰۷

۳۰۔ ایضا ص ۲۰۱

۳۱۔ روداد جماعت اسلامی ہند حصہ سوم، ص ۱۱۲، حصہ چہارم، ص ۸۔ ۹ / حصہ پنجم ص ۱۸۹۔

۳۲۔ سید نقی علی، سید مودودی کا عہد، ص ۱۸۵، ۱۸۶، ص ۱۶۲

۳۳۔ روداد جماعت اسلامی ہند، حصہ چہارم، ص ۱۳۹

۳۴۔ سید نقی علی، سید مودودی کا عہد، ص ۲۲۵۔ ۲۲۶

۳۵۔ امین احسن اصلاحی، مکتوب بنام محمد مختار اصلاحی، تدبر لاہور، مکاتیب نمبر، شمارہ نمبر ۶۱، جولائی ۱۹۹۸ء ص ۶۶

۳۶۔ میاں طفیل محمد، مکتوب بنام ابو اللیث اصلاحی ندوی، سہ روزہ دعوت دہلی، تحریک اسلامی نمبر، ۷ ر نومبر ۱۹۹۱ء ص ۴۳

۳۷۔ نعیم صدیقی، المودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۳۱۵

۳۸۔ ایضا صفحہ ۳۲۳

۳۹۔ چودھری عبد الرحمٰن عبد، سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور،

۱۹۸۸ء، ص ۲۱۸

۴۰۔ ترجمان القرآن، ج ۳۲، عدد ا جون ۱۹۴۹ء ص ۳۳۔۶۱/ امین احسن اصلاحی، آزادی کے اسلامی تقاضے، مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ لاہور، ص ۲۹ (بدون تاریخ)

۴۱۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۴۱/ نعیم صدیقی، المودودی، ص ۲۷۸

۴۲۔ ترجمان القرآن، ج ۳۲، عدد ۴، ستمبر ۱۹۴۹ء ص ۲۴۴۔۲۴۵

۴۳۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۴۴

۴۴۔ ترجمان القرآن، ج ۳۴، عدد ا، جون ۱۹۵۰ء، ص ۲/ ج ۳۴، عدد ۲، ۳، ۴، ۵، اگست تا ستمبر ۱۹۵۰ء

۴۵۔ پروفیسر منظور الحق، چند یادیں، چند تاثرات، ص ۱۱۶

۴۶۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۴۳

۴۷۔ امین احسن اصلاحی، مکتوب بنام ابو صالح اصلاحی، تدبر، مکاتیب نمبر، ص ۳۸، ۹۰

۴۸۔ تدبر، مکاتیب اصلاحی نمبر، ص ۷۴

۴۹۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۴۶

۵۰۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۴۶۔۲۴۷

۵۱۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۵۶۔۲۵۷

۵۲۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۵۸

۵۳۔ محمد حسین شمیم، سید مودودی، گمنام گوشے، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۲ء ص ۸۷

۵۴۔ امین احسن اصلاحی، 'اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل' فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۲ء

۵۵۔ امین احسن اصلاحی، ہمیں کس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے، ترجمان القرآن، ج ۳۴، عدد ۲، ۳، ۴، ۵، جولائی ۱۹۵۰ء تا ستمبر ۱۹۵۰ء ص

۲۲۸۔۲۴۰، اور بقیہ ص ۲۸۴۔۲۹۱

۵۶۔ اسعد گیلانی، تحریک اسلامی اپنے لٹریچر کے آئینے میں، مکتبہ چراغ راہ کراچی، جنوری ۱۹۵۸ء ص ۹۹

۵۷۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء / جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۲۴۰۔۲۴۴

۵۸۔ جاوید احمد غامدی، روایتوں کی حقیقت، حکایتوں کا وجود، اشراق لاہور، (اصلاحی نمبر) ج ۱۰، عدد ۱، ۲، جنوری، فروری ۱۹۹۸ء ص ۲۴

۵۹۔ ترجمان القرآن، ج ۳۴، عدد ۲۔۵، اگست۔ ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۲۶۵۔۲۸۳

۶۰۔ ملاحظہ ہو روداد مجلس شوری جماعت اسلامی پاکستان، ترجمان القرآن، ج ۳۵، ۳۶، عدد ۵، ۶، ۱، مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء ص ۲۶۹۔۲۹۲ / مجلّہ مذکورہ، ج ۳۶، عدد ۵، ۶، ستمبر ۱۹۵۱ء ص ۴۰۸

۶۱۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۲، اکتوبر ۱۹۵۱ء ص ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳۔۴، دسمبر ۱۹۵۱ء جنوری ۱۹۵۲ء، ص

۶۲۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء، جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۲۴۶۔۲۹۹

۶۳۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء، جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۲۴۸۔۲۴۹

۶۴۔ سید اسعد گیلانی، تحریک اسلامی اپنے لٹریچر کے آئینے میں، ص ۹۹

۶۵۔ خورشید احمد، مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں، ترجمان القرآن ج ۱۲۵، عدد ۴، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۵۳

۶۶۔ جاوید احمد غامدی، اشراق لاہور، (اصلاحی نمبر)، ص ۲۳۔۲۴

۶۷۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء، جنوری ۱۹۵۲ء ص ۱۵۱

۶۸۔ دستور جماعت اسلامی پاکستان، ترجمان القرآن، ج ۳۸، عدد ۳، ۴، جون

رجولائی ۱۹۵۲ء، ص ۴۹۔ ۶۷

۶۹۔ سید اسعد گیلانی، تحریک اسلامی اپنے لٹریچر کے آئینے میں، ص ۱۰۲/ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۱۵۹ / محمد حسین شمیم، مولانا مودودی، گمنام گوشے، ص ۲۰۔ ۲۱

۷۰۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۵۹/ محمد حسین شمیم، ص ۲۱

۷۱۔ نعیم صدیقی، المودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۲ء ص ۱۴۴۔ ۱۵۲، چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۱۵۹۔ ۱۶۰

۷۲۔ نعیم صدیقی، ص ۱۵۳۔ ۱۵۴ / چودھری عبدالرحمٰن عبد، ۲۹۔ ۳۱

۷۳۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۳۳

۷۴۔ مکتوب میاں طفیل محمد، زندگی نو دہلی، ج ۲۴، عدد ۵، مئی ۱۹۹۸ء ص ۶۱

۷۵۔ خورشید احمد، ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۵۱

۷۶۔ نعیم صدیقی، المودودی، ص ۱۵۶

۷۷۔ سید اسعد گیلانی، تحریک اسلامی اپنے لٹریچر کے آئینے میں، ص ۱۰۶

۷۸۔ ترجمان القرآن، ج ۴۲، عدد ۴، جولائی ۱۹۵۴ء ص ۱۔ ۵/ ج ۴۲، عدد ۵، اگست ۱۹۵۴ء ص ۱۶

۷۹۔ ترجمان القرآن، ج ۴۲، عدد ۴، جولائی ۱۹۵۴ء ص ۱۔ ۵/ ج ۴۲، عدد ۵، اگست ۱۹۵۴ء ص ۱۶

۸۰۔ اسرار احمد، تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ، مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی، لاہور، ۱۹۸۳ء ص ۱۵۰ تا ۱۵۷ / ص ۱۶۵۔ ۱۶۶

۸۱۔ اسرار احمد، تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ، مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی، لاہور، ۱۹۸۳ء ص ۱۶۵، ص ۵ تا ۶

۸۲۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء جنوری ۱۹۵۲ء ص ۵۴

۸۳۔ خرم مراد، مسائل وافکار، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۹۰، تدبر لاہور (مولانا اصلاحی کی یاد میں) نمبر ۶۰، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۹۶

۸۴۔ خرم مراد، مسائل وافکار، ص ۹۰

۸۵۔ خرم مراد، مسائل وافکار، ص ۲۳۸

۸۶۔ ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء، جنوری ۱۹۵۲ء ص ۱۵۷۔۱۵۸

۸۷۔ خورشید احمد، ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۹۸ء، ص ۵۵

۸۸۔ خورشید احمد، ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۹۸ء ص ۵۲

۸۹۔ عبدالقادر حسن، امام وقت کی وفات، اشراق لاہور، (اصلاحی نمبر)، ج ۱۰، عدد ۱، ۲، جنوری تا فروری ۱۹۹۸ء ص ۳۳

۹۰۔ روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۵ء ص ۸۷، ۸۹

۹۱۔ روداد جماعت اسلامی، حصہ اول، ص ۳۸

۹۲۔ محمد منظور نعمانی، مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت، ص ۴۸۔۴۹

۹۳۔ ابوالحسن علی ندوی، کاروان زندگی (اول) مکتبہ اسلام لکھنؤ، ۱۹۸۳ء ص ۵۱۸

۹۴۔ روداد جماعت اسلامی، حصہ چہارم، ص ۱۳۹

۹۵۔ انٹرویو، تدبر، اصلاحی نمبر ص ۵۶۔۵۷ / مکتوب بنام مولانا مودودی، تدبر، مکاتیب نمبر ص ۵۳۔۵۴

۹۶۔ ترجمان القرآن، ج ۳۴، عدد ۲ تا ۵، اگست۔ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۲۶۵۔۲۸۳، ترجمان القرآن، ج ۳۷، عدد ۳، ۴، دسمبر ۱۹۵۱ء جنوری ۱۹۵۲ء، ص ۱۵۱

۹۷۔ ترجمان القرآن، ج ۳۶، عدد ۵، ۶، ستمبر ۱۹۵۱ء ص ۴۰۸

۹۸۔ اسرار احمد، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، ص ۲۳۲

۹۹۔ ترجمان القرآن، ج ۴۲، عدد ۴۔۵ جولائی ۱۹۵۴ء ص ۱۔۵/

اگست ۱۹۵۴ء ص ۱۶

۱۰۰۔ عبدالقادر حسن، ماہنامہ اشراق لاہور (خصوصی نمبر) ص ۳۳

۱۰۱۔ انٹرویو، تدبر لاہور، (اصلاحی نمبر) ص ۴۸، ص ۵۶

۱۰۲۔ مکتوب اصلاحی، بنام شورش کاشمیری، ص ۶۰۔۶۱

۱۰۳۔ سلیم کیانی، فکر فراہی کا رازداں، تدبر لاہور، (اصلاحی نمبر) ص ۳۰

۱۰۴۔ اسرار احمد، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، ص ۵۔۶

۱۰۵۔ اسرار احمد، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، ص ۵۔۶

۱۰۶۔ امین احسن اصلاحی، انٹرویو (جماعت اسلامی سے وصل و فصل کے اسباب)، تدبر لاہور، شمارہ ۶۰، اپریل ۱۹۹۸ء ص ۵۰

۱۰۷۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۷۳۔۲۷۴ / محمد حسین شمیم، سید مودودی گمنام گوشے، ص ۴۵۔۴۶

۱۰۸۔ جائزہ کمیٹی کے بارے میں مولانا اصلاحی کے موقف کی مزید تشریح و توضیح کے لئے ملاحظہ ہو، مکتوب اصلاحی بنام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تدبر لاہور، شمارہ نمبر ۶۱، (مکاتیب اصلاحی نمبر) جولائی ۱۹۹۸ء ص ۵۱۔۵۴، مکتوب اصلاحی بنام شورش کاشمیری، تدبر، مکاتیب نمبر، ص ۵۷

۱۰۹۔ محمد حسین شمیم، سید مودودی گمنام گوشے، ص ۴۷۔۴۸، چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۷۴، ۲۷۵

۱۱۰۔ مکتوب اصلاحی بنام شورش کاشمیری، تدبر، مکاتیب نمبر، ص ۵۸۔۵۹

۱۱۱۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۷۵

۱۱۲۔ ماچھی گوٹھ بہاولپور کا ایک غیر معروف قصبہ ہے۔ لاہور سے کراچی جاتے ہوئے صادق آباد سے چار میل آگے یہ ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے قریب ایک فیکٹری میں یہ اجتماع منعقد ہوا تھا۔ اس اجتماع

کے بارے میں مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو، ترجمان القرآن، ج ۴۷، عدد ۶، مارچ ۱۹۵۷ء، ص / محمد حسین شیم، سید مودودی گمنام گوشے،، ص ۵۰-۵۳ / چودھری عبدالرحمٰن عبد، ص ۲۷۵-۲۸۳، نعیم صدیقی، المودودی، ص ۳۲۶-۳۲۸،

۱۱۳ طفیل محمد، مکتوب بنام خالد مسعود، زندگی نو نئی دہلی، ج ۲۴ عدد ۵ مئی ۱۹۹۸ء ص ۶۲ (اس مضمون پر مشتمل ایک دوسرا اقتباس بھی منقول ہوا ہے۔ چودھری عبدالرحمٰن عبد، سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۲۸۱)

۱۱۴ عبدالرشید عراقی، بیدار مغز عالم دین، تدبر: لاہور، اصلاحی نمبر، ص ۸۹ / نعیم صدیقی، المودودی، ص ۲۸۱

۱۱۵ میاں طفیل محمد، زندگی نو، نئی دہلی، ص ۶۲

۱۱۶ مکتوب اصلاحی بنام شورش کشمیری، تدبر (مکاتیب اصلاحی نمبر)، ص ۶۰ تا ۶۳

۱۱۷ مکتوب اصلاحی بنام شورش کشمیری، تدبر (مکاتیب اصلاحی نمبر)، ص ۵۹ تا ۶۰

۱۱۸ چودھری عبدالرحمٰن عبد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص ۲۸۱-۲۸۲

۱۱۹ مولانا امین احسن اصلاحی، انٹرویو، جماعت اسلامی سے وصل و فصل کے اسباب، تدبر، اصلاحی نمبر، ص ۵۲-۵۳

۱۲۰ مکتوب اصلاحی بنام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تدبر، مکاتیب اصلاحی نمبر، ص ۵۵ / مکتوب اصلاحی بنام شورش کاشمیری، تدبر، مکاتیب اصلاحی نمبر ۶۲-۶۴

۱۲۱ خورشید احمد، ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۹۸ء ص ۴۹

۱۲۲ خالد مسعود، علم و عرفان کے ماہ کامل کا غروب، تدبر لاہور، شمارہ نمبر ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۱۱ / تدبر (مکاتیب اصلاحی نمبر) جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۶۳ اور ص ۵۳

۱۲۳ مکتوب اصلاحی بنام امیر جماعت اسلامی پاکستان، تدبر اصلاحی نمبر، ص ۵۰

۱۲۴ مکتوب اصلاحی بنام امیر جماعت اسلامی پاکستان، تدبر اصلاحی نمبر، ص ۵۶

۱۲۵ خورشید احمد، مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں، ترجمان القرآن، مارچ

۱۹۹۸ء، ص ۵۱-۵۲

۱۲۶ ملاحظہ ہو، ترجمان القرآن، ج ۲۷، عدد ۵-۶، نومبر ۱۹۴۵ء، تا جلد ۳۰ عدد ۳، فروری ۱۹۴۷ء

۱۲۷ امین احسن اصلاحیؒ، مقدمہ طبع اول ''تدبر قرآن'' مکتبہ چراغ راہ کراچی، ۱۹۵۲، ص ۷، ۸ / اور دیباچہ، 'حقیقت نماز' ادارہ علوم القرآن، علی گڑھ، ۱۹۸۵ء ص ۵

۱۲۸ امین احسن اصلاحیؒ، 'حقیقت شرک'، دائرہ حمیدیہ قرولباغ، دہلی، ۱۹۴۴ء ٹائیٹل کا آخری صفحہ

۱۲۹ مولانا امین احسن اصلاحی کی کتاب 'مبادیٔ تدبر قرآن' مکتبہ چراغ کراچی سے ۱۹۵۱ میں پہلی دفعہ 'تدبر قرآن' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں مجلّہ 'الاصلاح' سرائے میر اعظم گڑھ میں شائع شدہ دو مقالات شامل تھے۔ بعد میں ۱۹۵۲ء میں مذکورہ مکتبہ سے دوبارہ شائع ہوئی۔ اور اس کے شروع اور آخر میں ایک ایک مقالے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (مقدمہ کتاب مذکور)

۱۳۰ ترجمان القرآن، جلد ۲۴، عدد ۳-۴، مارچ-اپریل ۱۹۴۴ء / ج ۲۴، عدد ۵-۶ نومبر-دسمبر ۱۹۴۴ء

۱۳۱ روداد جماعت اسلامی، حصہ سوم، ص ۴۱

۱۳۲ ترجمان القرآن، جلد ۳۰، عدد ۲، جنوری ۱۹۴۷ء

۱۳۳ مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی پٹھانکوٹ، پنجاب کے علاوہ یہ کتاب مکتبہ جماعت اسلامی حیدر آباد سے بھی شائع ہوئی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اس کے دوسرے ایڈیشن (اشاعت دوم) کا ایک نسخہ راقم کی نظر سے گزرا ہے۔

۱۳۴ امین احسن اصلاحی، دیباچہ، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، (دیباچہ مورخہ جون ۱۹۵۱ء بمقام لاہور) مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۷-۸

۱۳۵ امین احسن اصلاحی، انٹرویو، اشراق لاہور (اصلاحی نمبر) جلد ۱۰ عدد ۱، ۲

جنوری فروری ۱۹۹۸ء، ص ۱۲۶۔ ۱۲۷

۱۳۶ عطاء الرحمٰن، تاریخ اسلام کا ایک منفرد مفسر قرآن، اشراق، لاہور، خصوصی نمبر ص ۴۷۔ ۴۸

۱۳۷ مکتوب اصلاحی، بنام عبدالحسیب اصلاحی، تدبر، مکاتیب نمبر، ص ۴۰

۱۳۸ اس کتاب کا مقدمہ جولائی ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا ہے اور پتہ راولپنڈی کا ہے۔ اس کی اشاعت دربھنگہ، بہار کے مکتبہ اسلامی سے بھی ہوئی ہے۔

۱۳۹ اس کتاب کی اشاعت کا اعلان ترجمان القرآن جلد ۳۵ عدد ۱، نومبر ۱۹۵۰ء کی پشت پر ہے۔

۱۴۰ اسعد گیلانی، چودھری علی احمد مرحوم، مکتبہ نشان راہ، دہلی، ستمبر ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۵

۱۴۱ ارشاد احمد حقانی، اشراق لاہور، (خصوصی نمبر) ص ۳۶

۱۴۲ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اشارات، ترجمان القرآن جلد ۳۶، عدد ۲ جون ۱۹۵۱ء ص ۸

۱۴۳ مکتوب بنام عبدالحسیب اصلاحی، تدبر لاہور، مکاتیب نمبر، ص ۳۹

۱۴۴ مکتوب بنام ابو صالح اصلاحی، تدبر، مکاتیب نمبر، ص ۳۸

۱۴۵ مکتوب بنام ابو صالح اصلاحی، تدبر، مکاتیب نمبر، ص ۳۸

۱۴۶ یہ چاروں مباحث الگ الگ پمفلٹ کی شکل میں مکتبہ جماعت اسلامی لاہور سے ۱۹۵۰ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئے

۱۴۷ ترجمان القرآن جلد ۳۶، عدد ۴، اگست ۱۹۵۱ء ص ۵

۱۴۸ مسلم سجاد، سلیم منصور خالد / خرم مراد۔ حیات و خدمات، منشورات، منصورہ لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۲۲۳۔ ۲۲۴

۱۴۹ تدبر، لاہور، مکاتیب اصلاحی نمبر، ص ۲۳

۱۵۰ ترجمان القرآن، جلد ۴۷، عدد ۴، دسمبر ۵۶ / جلد ۴۷ عدد ۵ جنوری